شاہ ولی اللہ

اور

اُن کا خاندان

تالیف

مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

ناشر

مجلس اشاعت اسلام (مسلک شاہ ولی اللہ) لاہور

ملنے کا پتہ: تخلیق مرکز ◎ شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

کتاب کا نام: ـــــ شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان

مؤلف: ـــــ مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

ناشر: ـــــ مولانا حکیم انیس احمد صدیقی
مجلس اشاعت اسلام، لاہور

کاتب: ـــــ احفاظ الرحیم صدیقی

طابع ـــــ شاہین میگنا پریس لاہور

تاریخ اشاعت: ـــــ ۱۹۷۶ء

ایڈیشن: ـــــ اوّل قیمت ۲۵/- روپے

تعداد اشاعت: ـــــ ایک ہزار 37/

ملنے کا پتہ: تخلیق مرکز، ۳۳/اے شاہ عالم گیٹ لاہور

ترتیب

پیش لفظ ۲۵

ابتدائیہ ـ

شاہ ولی اللہ کے حالات شاہ عبدالعزیز کی زبانی۔ ۲۷

ماخذ سوانح۔ القول الجلی، ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ولادت ووفات، حافظہ، راجپوتانے میں، سید ناحسن رض کا قلم جو پڑھا لکھا تھا نیانے، سند حدیث، تقسیم کار، ضبط اوقات، مسیتا شفقت کی تقریر، نسبت چشت، شاہ صاحب اور شیعیت، شیعوں سے قرابت، کرامت، طب، غزل، وصیت نامہ، مسلک فقہی، ایک فتویٰ، ایک جزیرہ، عذاب قبر۔

سنین حیات شاہ ولی اللہ ۴۲

حیات شاہ ولی اللہ کے چند خاص مآخذ۔ ۴۴

تصانیف شاہ ولی اللہ۔ ۴۶

تلامذہ و مریدین شاہ ولی اللہ۔ ۵۰

شاہ ولی اللہ اور ان خاندان کی تحریرات میں تحریفات ۵۷

- شاہ ولی اللہ کے فارسی اشعار۔ ۶۲
- تحریک ولی اللہی — کیا وہ کامیاب رہی؟ ۶۷

اخلاف و تلامذہ، تصانیف و تالیفہ

- شاہ ولی اللہ کا مدرسہ رحیمیہ ۸۰
- شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اہل اللہ پھلتی۔ ۹۶

مطب، پھلت میں، اخلاف، تالیفات:
انفاسِ رحیمیہ، تخریج احادیث ہدایہ، تلخیص، ہدایہ، اصول فقہ، تفسیر قرآن، چہار باب، کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ، ترجمہ موجز القانون فارسی، فوائد چند مکاتیب، النصائح۔

- شاہ ولی اللہ کے خلیفۂ اعظم شاہ محمد عاشق پھلتی۔ ۱۱۸

شیخ محمد، شیخ عبید اللہ، شاہ محمد عاشق، اخلاف، امتہ العزیز، اولاد ثناء اللہ، تلامذہ و مریدین۔
تصانیف: قول جلی، تقریر خیر کثیر، شرح دعاء الاعتصام، سبیل الرشاد، مکتوبات شاہ ولی اللہ، متفرق تحریریں: مقدمہ خیر کثیر، مکتوب المصفیٰ پر

- شاہ ولی اللہ کے فرزندانِ گرامی ۱۴۴

شاہ محمد دہلوی۔ ۱۴۴
شاہ عبد العزیز ۱۴۹

شاہ رفیع الدین دہلوی۔ ۱۵۶
شاہ عبد القادر دہلوی۔ ۱۶۲
شاہ عبد الغنی دہلوی۔ ۱۶۵

- شاہ ولی اللہ کے اخلاف و احفاد ۱۶۷

شاہ محمد اسحٰق دہلوی۔ ۱۶۷
شاہ محمد یعقوب دہلوی۔ ۱۶۹
شاہ مخصوص اللہ۔ ۱۷۸
شاہ محمد موسیٰ دہلوی۔ ۱۸۲
مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی۔ ۱۸۷
شاہ محمد اسماعیل۔ ۱۹۹
شاہ محمد عمر۔ ۲۰۰
اسلامی اقتصادی انقلاب کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نظریات ۲۰۲

ابتدائیہ

حکیم مولوی انیس احمد صدیقی حنفی

مجددی ولی اللّٰہی پھلتی ثم لاہوری

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ شاہ ولی اللہ اعلی اللہ مقامہٗ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ اور ان کا خاندان علم دین کے حاملین کے نزدیک سلسلۃ الذھب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اجداد و امجاد اسلاف اخلاف بھی بڑے درجہ کے بزرگ تھے۔ علم اور تقویٰ میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے، لیکن حضرت شاہ صاحب کو جو درجہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے وہ حضرت شاہ صاحب کی قسمت ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ خاص اور خلیفہ اعظم حضرت شاہ محمد عاشق محدث پھلتی فرماتے ہیں۔

"راہِ حقیقت طے کرنے والوں اور حقیقت کے طلبگاروں پر یہ امر چھپا ہوا نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی کامل انسان کو اپنے علموں اور چھپے ہوئے رازوں کے ظاہر کرنے کا ذریعہ بنانے کے لئے چن لیتا ہے اور اسے بطور آلہ کار استعمال کرتا ہے اور اس کی زبان سے کلام فرماتا ہے اور جو بھید اس نفسِ مقدس میں ہوتے ہیں وہ اس شخص کو عطا فرماتا ہے اور ان کے ظہور کا ارادہ کرتا ہے تو وہ واقعات

کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اس زمانے میں اس بلند مقام پر قطب الدین احمد ابوالفیاض ولی اللہ فائز ہیں جو محدثین میں سے سب سے بڑے محدث اور ولی اللہ ہیں اور جن کی زبان سے خدا کلام فرماتا ہے۔ اس امر کی تصدیق اس سے ہوتی ہے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بشارتوں میں حضرت شاہ ولی اللہ کی نسبت اپنے ساتھ یوں فرمائی ہے کہ وہ میرے وجود خارجی کے لئے بمنزلہ ذہن ہیں اور اسی وقت حضرت شاہ صاحب کو ذکی اور حکیم الامت کا خطاب عطا فرمایا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں جو کمالات الٰہی موجود تھے اور آپؐ کے ذریعے سے ظہور پذیر ہوئے وہ تمام معانی بعینہٖ حضرت حکیم الامت کے صاف ذہن میں علوم و معارف کی شکل میں جلوہ گر ہوئے۔ اس لئے حضرت شاہ صاحب کے جملہ علوم و اسرار حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے علوم و اسرار ہیں" (مقدمۃ الخیر الکثیر)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ خود فرماتے ہیں۔

"اس بندۂ ضعیف پر خداوند تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھے فاتحیت کی خلعت پہنائی گئی ہے۔ اور پچھلے دور کا افتتاح میرے ہاتھ سے کرایا گیا ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا فقہ کی اچھی باتیں کیا ہیں چنانچہ میں نے ان کو جمع کر کے فقہ حدیث نئے سرے سے مرتب کردی ہے۔

میں نے فنِ اسرارِ حدیث اور علم مصالح احکام و غیبات وغیرہ جو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلّم خداوند تعالیٰ سے لے کر آئے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم فرمائی ہے، مدوّن کیا، یہ وہ فن ہے جس کو فقیر سے پہلے اس کے بارے میں کسی نے مجھ سے بہتر کوئی بات نہیں کی ہے۔ حالانکہ یہ عظیم الشان علم ہے۔

نیز مجھے کمالاتِ اربعہ یعنی ابداع خلق تدبیر اور تدلی کا نہایت وسیع علم دیا گیا ہے، ایسے ہی نفوس انسانی کی استعدادات کا کامل علم عطا کیا گیا ہے جس سے ہر شخص کا کمال اور انجام معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں وہ بلند مرتبہ علم ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اس کے علاوہ مجھے حکمتِ عملی کے اصول کو خداوند تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت اور آپ کے اصحاب رضی کے آثار کے ذریعہ سمجھنے اور پختہ کرنے کی توفیق بخشی گئی ہے۔"

التفہیمات ج ۱ ص ۱۱۷ تفہیمات

نعمت عظمیٰ بر این ضعیف آنست کہ اورا خلعت فاتحیہ دادند و فتح دورۂ باز پسین بردست دے کردند۔ (ولی اللہ ص ۷۶)

حضرت شاہ صاحب کے علو مقام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ آپ کو کیا سمجھتے تھے، حضرت شاہ محمد عاشق رحمۃ اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی تحریرات موجود ہیں حضرت شاہ صاحب کے بعض اساتذہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ شاگردوں اور تلامذہ سے بھی زیادہ وقیع ہے۔ حضرت ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکروی المدنی کے درس میں آپ نے بخاری شریف سنی اور صحاح ستہ کا کچھ حصّہ پڑھا، نیز موطا امام مالک، موطا امام محمد اور مسند دارمی وغیرہ کتب حدیث کی اجازت حاصل کی۔ استاذ مکرم نے فرمایا کہ شاہ

ولی اللہ نے مجھ سے الفاظ کی سند لی ہے اور میں نے اُن سے معنیٰ کی تصحیح کی ہے یا اس کے ہم معنیٰ الفاظ فرماتے (مقدمہ بدور البازغۃ ص ۳ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکاڈمی حیدر آباد)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم لدنی عطا فرمایا ہے وہ حضرت ہی کا حصّہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے تلامذۂ خاص میں حضرت مولینا قاضی ثناء اللہ پانی پتی بہت بڑے عالم اور فاضل فقیہ محدّث اور مفسّر ہیں۔ لیکن ناچیز کی رائے میں حضرت شاہ صاحب کی حقیقی عظمت اور رفعت تک ان کی نظر بھی نہ پہنچ سکی۔ حضرت شاہ ولی اللہ سے تعلّق و تلمّذ کی سعادت حاصل کرنے کے باوجود حضرت شاہ ولی اللہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے وصال کے بعد حضرت قاضی صاحب نے حضرت مظہر جانِ جاناں شہید قدس اللہ سرہٗ سے بیعت کی اور حضرت شاہ صاحب سے بعض چیزوں میں اختلاف کیا۔ حضرت شاہ صاحب کی وصیت پر حاشیہ میں تنقید اور تغلیط کی۔ حضرت مظہر جان جاناں شہیدؒ یقیناً بڑے درجہ کے بزرگ تھے لیکن آپ کی نسبت نسبت ولایت تھی اور حضرت شاہ ولی اللہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی نسبت آثار سلوک نبوت سے تھی۔ حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ علم نبوت کے بحرِ بیکراں تھے اور حضرت جان جاناں شہیدؒ ایک صاف و شفاف نہر کی مانند تھے۔ حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کی تالیفات و تصنیفات موجود ہیں اور ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم و معارف لدنی کا دریا بہہ رہا ہے اور دوسرے مشاہیر اولیاء اللہؒ کے ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک درویش اپنی مجلس صدق و صفا میں خلوص و

ایمان کے رشتے سے گلاب پاشی کر رہا ہے۔
ڈاکٹر رشید احمد جالندھری پی ایچ ڈی سابق ڈائریکٹر علماء اکاڈمی محکمہ
اوقاف لاہور سے اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی اور تبادلہ خیال ہوا تو انھوں نے
بھی میری رائے سے اتفاق کیا اور کہا حضرت شاہ کے اخلاف آج تک
بھی حضرت شاہ صاحب کی عظمت کو صحیح طور پر نہ پہچان سکے۔ حضرت شاہ
صاحب حکیم الامت اور مجدد ملت ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علوم اور معارف
ہم کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حکیم محمود احمد صاحب برکاتی مؤلف کتاب ہٰذا کی
تحقیق انیق بھی یہی ہے۔ آپ نے شاہ ولی اللہ کی تحریک کے عنوان سے اس پر
مفصل اور مدلل کلام کیا ہے۔ اس تجزیہ سے میرا مقصد حضرت شاہ کے تلامذہ
و اخلاف کی تنقیص نہیں ہے چونکہ یہ حضرات اپنے زمانے میں عالم باعمل افضل
و اکمل اور جامع العلوم تھے۔ علم دین ہمیں انہی کے ذریعہ پہنچا ہے، بلکہ یہ رائے
حضرت شاہ صاحبؒ کی نسبت سے دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت شاہ
صاحب ان کے بھی بزرگ ہیں اور ہمارے بھی اور یہ بزرگان دین ہمارے لئے
قابل صد احترام اسلاف ہیں اور ان کے عظیم علمی اور دینی کارنامے ہیں۔
حضرت شاہ صاحب اگر الماس و کوہ نور ہیں تو آپ کے اخلاف و تلامذہ
لعل اور زمرد و عقیق ہیں اور ہم ان کی نسبت سے سڑک کے پتھروں
سے بھی کمتر ہیں اس لئے کہ سڑک کا پتھر سڑک بنانے کے لئے تو کارآمد ہے
ہم تو بالکل ناکارہ و ناہنجار ہیں۔ احب الصالحین ولست منهم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

علامہ رشید رضا مصری فرماتے تھے کہ اگر ہمارے ہندوستانی علماء کی
توجہ اس علم کی طرف نہ ہوتی تو اس علم کا مشرقی ممالک سے خاتمہ ہو جاتا۔
(مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ)

حقیقت میں یہ شاہ صاحب کی عظیم دینی خدمات کا اعتراف ہے
چونکہ ——— بر کوچک ہند و پاک میں علم حدیث کا جو چرچا ہے وہ حضرت
شاہ صاحب کے حلقہ درس اور آپ کے روحانی فیض کا اثر ہے۔
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند مکہ معظمہ
میں ایک یمنی محدث ضعیف العمر بزرگ سے ملے۔ حضرت نے محدث مذکور
سے حدیث کی اجازت طلب کی۔ محدث نے دریافت کیا کہ آپ کس کے
شاگرد ہیں۔ مولانا قاسم صاحب نے کہا شاہ عبدالغنی مجددی کا، انھوں نے
فرمایا وہ کس کے شاگرد ہیں۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے کہا وہ شاہ محمد اسحٰقؒ
کے، محدث صاحب نے پھر دریافت کیا وہ کس کے شاگرد ہیں، مولانا نے
کہا وہ شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد ہیں۔ محدث کبیر نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا
نام سن کر فرمایا، شاہ عبدالعزیز کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت
ہیں، جہاں وہ ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں وہ نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے۔
(میر الروایات ص ۱۵۰)

بعض اکابر سے منقول ہے اور حقیقت ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اگر متقدمین
کے زمانے میں پیدا ہوتے اور عہد تابعین یا تبع تابعین میں موجود ہوتے تو عالم
اسلام میں چاروں ائمہ مذہب کی طرح آپ کی امامت پر اتفاق ہوتا اور آپ

صاحبِ مسلک امام اہلِ تقلید ہوتے، ناچیز سمجھتا ہے کہ آج آپ امام اجتہاد ہیں۔
اگر امتِ مسلمہ کے علماء اور فقہاء نے اجتہاد کے طریقے کو اختیار کیا تو حضرت شاہ
کی رہنمائی اور پیروی کے بغیر اس راستے پر صحیح و سالم چلنا ممکن نہیں۔ میرے زمانۂ
تعلیم کا واقعہ ہے، دارالعلوم دیوبند میں حجۃ اللہ البالغہ کے درس کا سلسلہ شروع
کرنے کی تحریک ہوئی۔ کئی اساتذہ نے حضرت علامہ عثمانی مرحوم سے عرض
کیا کہ حجۃ اللہ البالغہ کا درس ہمارے سپرد کیا جائے اسی دوران میں حضرت
مولانا محمد ادریس کاندھلوی شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند مولانا عثمانی مرحوم
کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا عثمانی نے فرمایا کہ کئی اساتذہ نے حجۃ اللہ
البالغہ پڑھانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ مولانا کاندھلوی
نے عرض کیا، حضرت جو کتاب پڑھانے کا حکم دیں گے وہ پڑھاؤں گا لیکن
حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں بعض مقامات پر اس قدر بلندی سے
ایسی باتیں فرما گئے ہیں کہ میں ان کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکا۔ مولانا عثمانیؒ نے فرمایا
مولوی ادریس آپ نے صحیح کہا ہے، بعض مقامات کو میں بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکا،
جن اساتذہ نے حجۃ اللہ پڑھانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے وہ بغیر سمجھے پڑھانے
کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے متعلق نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔

"اگر وجود او در صدر اول و در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ و تاج المجتہدین
شمردہ می باشد۔"

علامہ ابوالطیب لکھتے ہیں: "انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مقدس اور پاک

نفس کا عزیز وجود اگر گزشتہ زمانے میں ہوتا تو تمام مجتہدین کا پیشوا اور مقتدا
مانا جاتا، بلکہ ان کا سرتاج بنایا جاتا اور امام الائمہ کا وزنی اور قیمتی خطاب پاتا۔ صاحب
سیرالاخیار نے شاہ صاحب کو یکتائے روزگار مجتہد عصر قرار دیا ہے۔ مولانا محمد
ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کا قلم جب درایت پر چلتا ہے
تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم جنیدؒ اور بایزیدؒ کا ہے اور جب قلم روایت پر چلتا ہے تو
ایک عظیم دریا نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلم عسقلانی اور قسطلانی کا ہے۔
(خلافتِ راشدہ ص ۲-۳)

اہلِ علم حضرات خوب جانتے ہیں کہ برکوچک ہند و پاک میں جو قرآن و حدیث
کے درس کا سلسلہ موجود ہے، اس سلسلہ کے بانی حضرت شاہ صاحب ہیں۔ آپ
کے بعد علماء، فضلاء، محدثین اور مفسرین کسی نہ کسی واسطہ سے آپ کے تلامذہ میں شمار
ہوتے ہیں۔

سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس اے، آر کارنیلیس صاحب نے مذاکرہ شاہ ولی اللہ میں
تقریر کرتے ہوئے کہا عظیم مفکر شاہ ولی اللہ کی تعلیم کو فروغ دینے کے لئے پاکستان
بھر میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں ادارے کھولے جائیں جہاں نوجوانوں کو شاہ
ولی اللہ کو مذہبی و سیاسی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔ آپ نے کہا حضرت
شاہ صاحب نے برصغیر میں اپنی تعلیمات اور تصنیفات کے ذریعہ ایسا ماحول
پیدا کر دیا کہ مسلمان یہاں رہنے کے لئے الگ اپنا وطن حاصل کر سکیں جہاں وہ
خلافت راشدہ کے عہد کے مطابق اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق
ڈھال سکیں۔ ان کے نظریات کے فروغ کے نتیجے میں یہاں پاکستان کے حصول کی

تحریک کامیاب ہوئی۔ اس طرح انھیں نظریہ پاکستان کا پیش رو قرار دیا جا سکتا ہے۔ پاکستان کی صورت میں وہ خطہ مادی صورت میں تو حاصل ہو گیا ہے جہاں خلافت راشدہ کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس وقت جو صورت حال موجود ہے وہ بہت حد تک اس ماحول سے مشابہ ہے جو شاہ ولی اللہ کے دور میں تھی۔ لہٰذا ان کی تعلیمات ہمارے نوجوانوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہیں (بحوالہ مشرق ۲۶ فروری ۱۹۶۸ء)

جسٹس کارنیلیس صاحب کو حضرت شاہ صاحب سے یہاں تک عقیدت ہے کہ موصوف نے حضرت شاہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ استاد سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مسلمان جسٹس اس ایمانی اور علمی ذوق سے محروم ہیں۔

مسٹر جسٹس ایس۔ اے رحمان سابق چیف جسٹس نے کہا اگر ہم شاہ ولی اللہ کی تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو علمی اجتہاد کے دروازے پھر سے کھل سکتے ہیں اور وہ جمود جو ملتِ اسلامیہ پر طاری ہے ختم ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی روایات کو قرآن کریم کی مضبوط بنیادوں پر قائم کریں اور اس بارہ میں شاہ ولی اللہ کی تصنیفات کو بھی مشعلِ راہ بنا کر کامیابی اور کامرانی کا راستہ متعین کریں۔

(مشرق ۲۷ فروری ۱۹۶۸ء)

ڈاکٹر سید انوار الاسلام خورشید لکھتے ہیں:۔

ہمارے نزدیک تحریک پاکستان کی تاریخ کا آغاز شاہ ولی اللہ ہی کی تحریک سے ہوتا ہے کیونکہ اس میں دین، سیاست اور معیشت تینوں عناصر کارفرما ہیں۔ ان کی تحریک قریب قریب انہی حالات میں ابھری جو آج پیش آ رہے ہیں چنانچہ انھوں

نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں مسلمانوں کے یہ اسباب بیان کیے کہ دین کو اس کے صحیح تناظر اور اصل روح کے مطابق سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ خلافتِ راشدہ کے اصول سے انحراف کر کے سلطانی کو اختیار کیا گیا۔ جاگیرداری اور دولت مندی کا ایک نیا طبقہ ابھرا جو بداخلاقی اور بدکرداری میں اپنی نظیر آپ ہے۔ بے شمار لوگ کوئی کام کیے بغیر مالی طور پر مملکت کے محتاج ہیں جس سے بیت المال پر بہت بڑا بوجھ پڑا ہے۔ کاشت کار، تاجروں اور پیشہ ورانہ کارکنوں میں شدید اضطراب ہے کیونکہ محاصل کا سارا بوجھ وہی برداشت کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اس صورتِ حالات کا علاج یہ تھا کہ اسلام کی حقیقی روح کے مطابق اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہو تاکہ ایک مثالی اور عادلانہ معاشرتی نظام وجود میں لایا جا سکے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کا خوب حق ادا کیا اور اسلام کی حقیقی روح پیش کی، ان کے خاندان کے افراد اور دوسرے پیروؤں نے قرآنِ حکیم کے تراجم شائع کیے اور اس طرح فکری انقلاب کی راہیں کھول دیں۔

(مقالہ روزنامہ مشرق ۲۹ اگست ۱۹۷۱ء)

محترم مصنف صاحب نے ایک مضمون میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کے رسالہ تحذیر الناس فی اثر ابن عباسؓ کے سلسلہ میں تنقید کی ہے، دراصل حضرت مولانا نانوتویؒ کا مسلک یہ ہے کہ احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہؓ اگر صحاحِ ستہ کے علاوہ دوسری حدیث کی کتابوں میں مروی ہیں اور ان کی سند میں کچھ ضعف بھی پایا جائے۔ اس کے باوجود جہاں تک ممکن ہے اس حدیث کو مانا جائے اور اس کو قرآن و حدیث کے مطابق تفہیم یا تطبیق کی جائے اپنی طرف سے اس کو رد نہ کیا جائے۔ اس کی

وجہ سے حدیث کو موضوع اور غلط قرار دینا پڑے ۔ اسلام میں رخنہ پیدا کرنے کے مترادف ہے ۔ اس طرح سے فتنہ انکارِ حدیث کو تقویت پہنچتی ہے ۔

حضرت نانوتوی نے اس رسالہ میں آیت خاتم النبین کی جو حکیمانہ اور عارفانہ تفسیر بیان فرمائی ہے اس کی تعریف کے بجائے اس کے نقائص نکالنا قرینِ انصاف نہیں ہے ۔ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین زمانی یعنی نبی آخر الزماں ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ۔ آپ کے بعد نبوت کے جاری ہونے کا عقیدہ صریح کفر ہے لیکن آپ خاتم النبیین رتبی بھی ہیں یعنی نبوت و رسالت کے تمام مراتب کمال آپ کی ذات بابرکات پر ختم ہوتے ہیں اور انبیاء اولیاء جس کو جو کچھ ملا ہے آپ کے ذریعہ سے ملا ہے ۔

محمد مصطفےٰ صدر نشین است — کہ فخر اولین و آخریں است
بمنصب رحمۃ للعالمین است — سریر آرا ختم المرسلیں است
انیس

اور اگر حضرت نانوتویؒ کی عبارت کو غلط طور پر پیش کرنے سے حضرت نانوتویؒ پہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے تو مرزائیوں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ حضرت جلال الدین رومیؒ حضرت شیخ اکبرؒ اور بہت سے دوسرے اکابر کی عبارت کو قطع برید کرکے اپنے مطلب کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے ، نعوذ باللہ اس سلسلہ میں ان بزرگوں کی کوئی خطا نہیں ہے ۔ نیز ایک واقعہ برادرم محترم نے خاندان والدہ ولی اللٰہی کے آپس میں مناظرہ یا مباحثہ کا تحریر کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بزرگوں کی قبور کو بوسہ دینا اکابر میں مروّج و معمول تھا ۔

مسلک دیوبند اور بریلی کے درمیان چیلنج پیدا ہوگئی ہے ۔ میں اس کو پسند نہیں کرتا جب کہ دونوں مکتب فکر کے علماء اہلِ سنّت والجماعت مسلک سے تعلّق رکھتے ہیں اور امام اعظم کے مقلّد ہیں ۔ اس لئے لفظی نزاع کو حقیقی نزاع نہ بنانا چاہیے ۔

یہاں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ عام طور پر عوام الناس میں سے جو لوگ مزارات پر جاتے ہیں اگر ان کو بوسہ دینے کی اجازت دے دی جائے تو ان کو سجدہ کرنے سے روکنا محال ہوجائے گا ۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

فقہ حنفی میں حدیث نبوی کے مطابق قبرستان میں نماز پڑھنا تک مکروہ ہے کہیں قبر سامنے ہو اور دیکھنے والا نمازی یا خدا کی عبادت کو بندے کی عبادت نہ سمجھ لے ، قبر پہ عوام کو سجدہ یا بوسہ کی اجازت دے کر موجودہ زمانہ میں احتیاط کے قطعی خلاف ہے اور جو لوگ ان چیزوں سے منع کرتے ہیں وہ قطعی طور پر لوگوں بالخصوص عوام کو شرک کے فتنہ سے بچانے کے لئے کرتے ہیں ، عقیدت کی انتہا عبادت ہے ۔ عقیدت اور عبادت میں فرق کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے ، خاص طور سے جس کو مزارات پر حاضری کا موقع ملا ہے ، وہ ان امور سے انکار نہیں کرسکتا ۔ بوسہ دینا دراصل ایک فعل مباح ہے ۔ جو بزرگ اس کو منع کرتے ہیں وہ عوارض کی بناء پر کرتے ہیں اور جو لوگ اس کو جائز کہتے ہیں وہ اصل اباحت کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں ۔ اگر مقاصد عالیہ پر نظر کرکے ان سے دریافت کیا جائے تو وہ بھی اباحت و اجازت کا فتویٰ نہیں دے سکیں گے ۔ فافہم

تفسیر عزیزی یا فتح العزیز

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تفسیر کے متعلق مؤلف کتاب اور دیگر تمام علماء نے

لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے سورہ بقر پارہ سیقول آیت وان تقوموا خیر لکم تک - اور دوسرے حصہ میں پارہ تبارک الذی اور پارہ عم کی تفسیر لکھی ہے لیکن ناچیز کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے تمام قرآن حکیم کی تفسیر لکھی ہے زمانہ کے حادثات کی وجہ سے پوری تفسیر اہلِ علم تک نہیں پہنچ سکی ہے اس دعوے کی دلیل خود حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے بعض حضرات قرآنِ حکیم کی مختلف آیات کا مطلب اور تفسیر دریافت کی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے جواب میں آیات کی تفسیر لکھ کر بھیجی اور تحریر کیا کہ یہ مضمون اپنی تفسیر فتح العزیز سے نقل کر کے بھیج رہا ہوں چنانچہ فتویٰ عزیزیہ میں بہت سی آیات کی تفسیر موجود ہے ملاحظہ کریں۔

(۱)- ثم انشانا من بعدھم قرنا آخرین - سورہ مومنون آیت ۴۲ پارہ ۱۸ کے متعلق فرماتے ہیں یہ تفسیر کتاب فتح العزیز سے نقل کیا ہے - ص ۱۲

(۲)- ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار - بقرہ آیت ۲۰۱ تفسیر عزیزی سے اس کی تفسیر نقل کرتا ہوں ص ۱۹ - تفسیر عزیزی حصہ اوّل بقرہ کی آیت ۱۴۴ تک دستیاب ہے، یہ تفسیر مطبوعہ حصہ میں نہیں ہے اس لئے بقرہ کی تفسیر بھی مکمل لکھی گئی ہے۔

(۳)- وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ص ۱۳ سورہ انعام آیت ۵۹

(۴)- کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب آیت کی تفسیر سورہ نساء کی تفسیر میں اس آیت کے بیان میں لکھا ہے - ص ۱۵

(۵)- ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون (پارہ ۲۳) حضرت فرماتے ہیں اس آیت کی تفسیر سورہ والصافات کی تفسیر فتح العزیز میں مذکور ہے - ص ۱۷

(۶)- وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام -
ان واقعات کی تفصیل سورہ سجدہ پارہ ۲۴ میں مذکور ہے اور تفسیر فتح العزیز میں اس کی مکمل تشریح کر دی گئی ہے - اس وقت مسودہ سے نقل کرنا دشوار ہے - ص ۲۸و۲۹

(۷)- انا عرضنا الامانۃ - سورہ آل عمران
حضرت فرماتے ہیں یہ مضمون تفسیر فتح العزیز میں سورہ آل عمران کی تفسیر میں قل آمنا باللہ وما انزل علینا کے بیان میں مذکور ہے تفسیر فتح العزیز کے مسودہ سے نقل کیا جاتا ہے - ص ۳۵ - ۳۶

(یہ تمام حوالہ جات فتویٰ عزیزی مطبوعہ ایچ، ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی مطبوعہ ۱۹۰۰ء سے لئے ہیں)

ان حوالوں کے علاوہ اور آیات کی تفسیر بھی حضرت نے فتاویٰ میں لکھی ہے یقیناً وہ بھی تفسیر فتح العزیز ہی سے منقول یا ماخوذ ہو گی - ان حوالوں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے سورہ نساء، سورہ آل عمران، مومنون، سورہ سجدہ، سورہ صافات، سورہ انعام اور سورہ بقرہ کی مکمل تفسیر تالیف فرمائی ہے اور ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مکمل قرآنِ حکیم کی تفسیر تالیف فرمائی ہے جو بدقسمتی سے ہم تک نہیں پہنچی ہے، میں کوشش کر رہا ہوں کہ اگر یہ تفسیر کسی پرانے کتب خانے میں موجود ہے تو اس کو حاصل کر کے اہلِ علم کے سامنے لایا جائے - اللہ تعالیٰ مجھے اس نیک کوشش میں

کامیاب فرمائے، اگر دنیا میں کسی جگہ یہ تفسیر موجود ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ تفسیر مل جائیگی۔

السعی منی والا تمام من اللہ

حضرت استاذ مولنیا محمد ادریسؒ کاندھلوی سے میں نے عرض کیا کہ حضرت شاہؒ نے تفسیر فتح العزیز مکمل تالیف فرمائی ہے اور خود حضرت شاہ صاحب کی تحریر سے اس کا ثبوت ملا ہے تو حضرت بہت زیادہ مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اگر حضرت شاہ صاحب کی تفسیر مکمل مل جائے تو یہ تفسیر امام رازی کی تفسیر کبیر اور زمخشری کی تفسیر کشاف سے بہتر اور زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

تلخیص تفسیر عزیزی

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک شاگرد رشید مولنیا یار محمد جہلمی تھے انھوں نے حضرت کے درس تفسیر میں خاص آیات کی تفسیر قلم بند فرمائی ہے۔ اس کو در حقیقت تفسیر عزیزی کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے، جب تک حضرت کی مکمل تفسیر دستیاب نہیں ہوتی یہ خلاصہ اہل علم کے لئے ایک نعمت ہے، حضرت استاذی مولنیا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم کے کتب خانہ میں یہ نادر نسخہ مطبوعہ موجود ہے۔

پھلت میں تبرکات:۔ اس وقت قصبہ پھلت میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ اہل اللہ کے تبرکات مثلاً موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، قلمی قرآن شریف اور لکڑی کی پاؤڈری اور کچھ قلمی طبی اور دینی کتابیں برادرم حکیم لیاقت علی سلمہ پسر نمبردار ولایت علی مرحوم کے گھر موجود ہیں جو ابوالکرم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ موصوف حضرت شیخ محمد جدِ مادری شاہ ولی اللہ کے چچا تھے۔

حضرت حکیم الامت مجدد ملت شاہ ولی اللہؒ اور پاکستان کے مسلمان

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اول مخاطب علماء کرام ہیں۔ آپ نے علماء کو اختلافی مسائل میں حد اعتدال پر قائم رہنے کی نصیحت فرمائی ہے اور عربی میں ایک کتاب الانصاف فی سبب الاختلاف بھی تالیف فرمائی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مع توضیح اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ کے نام شائع ہو گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ اکاڈمی حیدرآباد سندھ نے حضرت شاہ صاحب کی بیشتر تصانیف کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے بعض دوسرے حضرات نے بھی شاہ صاحب کی تصانیف شائع کی ہیں۔

مولنیا عبیداللہ سندھیؒ کو حضرت شاہ صاحب کے علوم سے جو شغف تھا وہ بھی اظہر من الشمس ہے۔ مولنیا سندھی سے جزوی طور پر اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی عمر بھر کی محنت شاقہ اور حضرت شاہ صاحب کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت اور توضیح و تشریح سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

علماء حضرات کو چاہیئے کہ وہ شاہ صاحب کے اصل پیغام کو سمجھیں انھوں نے جو اسلام کی روح اور حکمت بیان کی ہے اس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور مسلمانوں میں پھیلایا جائے۔

حضرت شاہ صاحب کا پیغام صرف پاکستان کے علماء یا مسلمانوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لئے ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے علوم کا جس قدر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے گا ہم کو

ان کی افادیت کا احساس ہوگا اور ہمارے مسائل کا حل نظر آئے گا۔ حال ہی میں میں نے نظام اراضی پر مولینا مناظر احسن گیلانی کی ایک قلمی کتاب دیکھی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حکمت اور ان کے فرمودات و ہدایات کی روشنی میں تحریر کی گئی ہے۔ اس کتاب کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں نہ مزارع اور مالک کے جھگڑے تھے نہ اشتراکی نظام کا کوئی نام ونشان تھا، نہ سوشلزم جیسی کوئی چیز معرض وجود میں آئی تھی۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے کتاب وسنت کی روشنی میں بہترین طریقے پر اس مسئلہ کو حل کیا ہے کہ نہ سوشلزم سے رشتہ باندھنے کی ضرورت ہے نہ اشتراکیت کے تصورات سے ناطہ کی حاجت ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے سو سال قبل نظام اراضی پر ایسی محققانہ رائے پیش کی ہے جو آج کے مسائل میں ہمارے لئے بہترین رہنما ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے مجدد ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ انھوں نے ہمارے اکثر مسائل کا حل پیش کر دیا ہے یا ان کا حل تلاش کرنے کے سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرما دی ہے۔

الحمد للہ کہ لاہور ماڈل ٹاؤن کے قریب صدیقی نگر میں مدرسہ شاہ ولی اللہؒ کا قیام عمل میں آگیا ہے جو کہ ادارۂ اشاعت اسلام کے تحت کام کر رہا ہے۔ اللہ تعالے سے دعا ہے کہ وہ ہم کو اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) حضرت شاہ صاحب کی حکمت اور آپ کی وصیت کے مطابق تعلیم اور تبلیغ واشاعت اسلام کا کام جاری ہے۔

شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان

برادر مکرم حکیم محمود احمد برکاتی نے اس سلسلے میں جو سالہا سال محنت شاقہ کی ہے اور تحقیق وتفتیش کا حق ادا کر کے یہ کتاب مستطاب مرتب کی ہے بے ساختہ مؤلف ممدوح کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں۔ مؤلف نے برّ کوچک ہند وپاک کے مسلمانوں پر عموماً علماء پر خصوصاً اور متوسلین ومنتسبین حضرت شاہ صاحب پر خاص الخاص احسان کیا ہے اور پھر اس کی اشاعت کی اجازت بوجہ اللہ ہم کو عطا کی ہے۔ اللہ تعالے اس کو قبول فرمائے اور بہترین جزاء عطا فرمائے۔

فجزاھم اللہ تعالی احسن الجزاء

میرے خیال میں کراچی یونیورسٹی، سندھ یونیورسٹی، پشاور یونیورسٹی یا پنجاب یونیورسٹی کو چاہیئے کہ مؤلف کی اس عظیم محققانہ تالیف منیف کی بناء پر تاریخ اسلام میں ڈاکٹر (پی، ایچ، ڈی) کی ڈگری عطا کرے، اس طرح سے اس تحقیق انیق کا مناسب طریقہ پر اعتراف ہوگا۔

اگر ہماری جامعہ کو یہ توفیق نہیں ہوتی تو کوئی بات نہیں کئی پی، ایچ ڈی حضرات حکیم صاحب کے علوم وحقائق سے استفادہ کرتے ہیں۔ نیز مؤلف کی یہ تحقیقات ونگارشات اللہ تعالی کے مقبول بندے کے متعلق ہیں جس کو اللہ تعالی نے اپنی مراد بنایا اور اس کی جزاء اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائیں گے۔

ملتمس احمد صدیقی، مجددی ولی اللہی
کلکتی ثم لاہوری ۔ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

حکیم الامّت مجدّد الملۃ سیّد المفسّرین سند المحدّثین حضرت شاہ ولی اللہ

اعلی اللہ مقامہٗ ونوّر اللہ مرقدہٗ

سراجِ نیّرِ حق تنویرِ مشکات ولی اللہؒ	بصیرت چوں بنا شد قسمت ذات ولی اللہؒ
ز اجلائے بدیہیات ہیں فضل و کمال او	ز تالیفات پر خیر و سعادات ولی اللہؒ
ز تالیفات او بیں حجۃ اللہ العظیم اے دل	در اسرار شریعت از کمالات ولی اللہؒ
تو از بحر دشش بیں بیحد و دُرہائے مضموں را	بشکل کوکب دری ز لمعات ولی اللہؒ
کتاب بحر زخارے کہ در شاں خلافت است	در آں کے ہیچ کس را شد مساوات ولی اللہؒ
سبق بردار از سلف در ہمتش ہم از خلف حربے	نے بلغم ہم مقصد و عزیمات ولی اللہؒ
خلافت آنکہ اصل حفظ دیں شد اندریں عالم	چہ حفظش سہل گردید از ہدایات ولی اللہؒ
عجیب ایں باقیات صالحات از وے پدید آمد	بعالم تا قیامت ماند خیرات ولی اللہؒ
نصیبش بود محفوظ از ہمہ ارباب جنسیت	خلافش یافتے کس بجز ذات ولی اللہؒ
تقی و زاہد و اوّاہ و ذاکر از صفات اوست	ولی اللہ دارد جملہ آیات ولی اللہؒ
بنا بر حبّ دنیا کے بسوزی اے اسیر نفس	نگاہ دل اگر داری بجنّات ولی اللہؒ
بظاہر وقف تدریس و بباطن محو مقصود ے	تعالی اللہ چہ معمور است اوقات ولی اللہؒ

دمش در آمد و رفت خودش چوں شیشۂ ساعت

مہیا بود بہر حفظ ساعات ولی اللہؒ

پیش لفظ

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور ان کے اصحاب و اخلاف و احفاد کے سوانح پر اپنے متفرق مضامین کا یہ مجموعہ پیش کرتے ہوئے چند صراحتیں ضروری سمجھتا ہوں۔

شاہ ولی اللہ کی مبسوط اور محققانہ سوانح حیات ہم پر ہنوز قرض ہے، پھر بھی ان پر کچھ کام ضرور ہوا ہے لیکن اس خانوادۂ گرامی کے دوسرے ارکان پر تو مورّخین نے کوئی توجہ ہی نہیں کی۔ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی، شاہ اہل اللہ پھلتی خلیفہ اور جانشین شاہ محمد عاشق پھلتی، صاحب زادوں، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین، احفاد شاہ محمد اسحٰق، شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ وغیرہ کے ساتھ تو بے اعتنائی کا خصوصی معاملہ کیا گیا ہے، (کیوں کیا گیا ہے یہ پھر کبھی عرض کروں گا) اور کچھ اس طرح کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے صاحب زادہ شاہ عبدالعزیز تھے اور ان کے بعد شاہ محمد اسماعیل ہوئے، بس یہ کل کائنات تھی اس دبستانِ دین و حکمت کی، حالاں کہ یہ قطعاً خلافِ واقعہ ہے اور ایسا کرنے والوں نے ایک خاص مقصد سے، ایک تحریک کی شکل میں اور منظم پیمانے پر یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔

پیش نظر کتاب اس "ظلم" بے التفاتی اور بے اعتنائی کی تلافی کی ایک حقیر اور طالب علمانہ کوشش ہے۔ اس میں آپ پہلی بار شاہ اہل اللہ اور شاہ محمد عاشق پر مفصل مضامین ملاحظہ فرمائیں گے، شاہ صاحب کے مدرسہ کی تاریخ پہلی بار نظر سے گزرے گی، اور شاہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند —— شاہ محمد کی تو دریافت اور تعارف کی سعادت خاکسار ہی کو حاصل ہوئی ورنہ بیش تر مورّخین شاہ صاحب کے چار فرزند

لکھتے رہے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ محمد اسماعیل پر مضامین میں مَیں نے یہ کوشش کی ہے کہ ان حضرات کے سلسلے میں جو باتیں عام طور سے نگاہوں سے اوجھل تھیں، وہ جمع کر دی ہیں؛ کیونکہ ان دونوں حضرات پر کافی لکھا جا چکا ہے۔

یہ کتاب مولانا حکیم انیس احمد صاحب صدیقی شائع کر رہے ہیں، وہ حضرت محمد عاشق پھلتی کے اخلاف صالحین میں سے ہونے کی بنا پر ہی نہیں، ولی اللہی فکر و نظر کے حامل ہونے کی وجہ سے بھی اس خاندانِ گرامی سے عقیدت رکھتے ہیں اور اسی لئے مجھے ان سے محبت ہے، پھر وہ میرے علمی گھرانے کے ایک فرد ہیں اور اپنے والدِ ماجد شیخ وقت مولانا علاء الدین پھلتی کے واسطے سے برکاتی بھی ہیں۔

نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

اللہ تعالٰے انھیں تذکار سلف کی اشاعت کا اجر جزیل عطا فرمائے۔

طالب علم
محمود احمد برکاتی

فروری ۱۹۷۳ء

برکات اکادمی، کراچی

شاہ ولی اللہ کے حالات

شاہ عبدالعزیز کی زبانی

شاہ ولی اللہ دہلوی کی ایک جامع و مبسوط سوانح حیات، محققانہ اور جدید اسلوب پر ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

ماخذ سوانح حیاتِ ولی کا اوّلین ماخذ تو خود شاہ صاحب ہی کی تحریریں ہوں گی، انفاس العارفین، فیوض الحرمین، الدر الثمین، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ وغیرہ میں بہت سا مواد مل جائے گا۔ الجزء اللطیف کے نام سے تو ایک مختصر سا رسالہ ہی شاہ صاحب نے اپنے احوال و سوانح کے طور پر تحریر فرما دیا تھا۔

القول الجلی اس کے بعد سب سے زیادہ اہمیت القول الجلی فی مناقب الولی کی ہے جو شاہ صاحب کی حیات ہی میں ان کے بھائی، دوست، شاگرد اور خلیفہ شاہ محمد عاشق پھلتی نے تحریر فرمایا تھا، خود شاہ صاحب نے الجزء میں اس کا ذکر فرمایا ہے (ص ۱۹۴) یہ رسالہ ۱۹ ویں صدی کے اواخر تک تو دستیاب

تھا۔ مولوی رحمٰن علی اور نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتابوں میں اس سے اقتباس واستفادہ کیا ہے مگر اب عرصے سے نایاب [عہ] ہے۔

حیات ولی کے مؤلف مولوی رحیم بخش دہلوی کو دستیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ رسالہ اگر کہیں سے دریافت کر لیا جائے تو ایک معتبر و معتمد اور نسبتاً مفصّل تذکرہ ہوگا۔

شاہ محمد عاشق ہی کی ایک تحریر الخیر الکثیر کے آغاز میں ہے وہ بھی مفید و بکار آمد ہے۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز

اس کے بعد میرے خیال میں بڑی اہمیت شاہ عبدالعزیز کے ان اقوال و بیانات کی ہے جو ان کے ملفوظات میں پائے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے آخری چند سالوں کے ملفوظات ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ء) میں ان کے ایک حاضر باش مسترشد نے مرتب کئے ہیں اور ایک ارادت کیش قاضی بشیر الدین میرٹھی نے ۱۳۱۴ھ میں پہلی بار مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع کئے تھے۔

> افسوس ہے کہ ان مسترشد کے نام کا پتہ نہیں چلتا، ملفوظات کے ناشر کا بیان ہے کہ حاصل شدہ نسخے کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے جامع ملفوظات کا نام پڑھا نہیں جا سکا، ہمارے سامنے ملفوظات کا ایک مخطوطہ بھی ہے مگر اس کے آغاز میں بھی جامع نے مطبوعہ نسخے کی طرح خود کو فقیر تحریر کیا ہے۔ نام لکھا ہی نہیں، ہو سکتا ہے آخر میں جامع نے اپنا نام لکھا ہوا اور وہ ناشر سے نہ پڑھا جا سکا ہو مگر مخطوطہ کے آخر میں جامع یا کاتب کا نام درج نہیں ہے، البتہ سن کتابت ۱۲۵۰ھ درج ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شاہ صاحب کے وصال ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء) کے صرف گیارہ سال بعد کا مکتوبہ ہے، یہ

[عہ] خلیق نظامی صاحب نے سیاسی مکتوبات شاہ ولی اللہ کے تازہ ایڈیشن میں اطلاع دی ہے کہ انھوں نے ایک صاحب کے پاس القول الجلی کا مخطوطہ دیکھا ہے۔ ضخیم کتاب ہے۔

> نسخہ مولانا نذر علی درد کاکوروی (۵ ۱ م ۵ ۲ عزیز آباد کراچی) کی ملک ہے۔ انھیں اپنے والد محمد حبیب علی علوی قادری سے ورثہ میں ملا ہے، علوی صاحب نے آغاز میں جامع کے متعلق اپنا قیاس یوں ظاہر کیا ہے: ..."غالباً جمع فرمودہ شاہ ابوالعلائی صاحب کہ یکے از خلفائے جیدآں جناب (شاہ صاحب) بودند و بسیار مقبول پیر خود" افسوس ہے کہ ہم شاہ ابوالعلائی صاحب کی شخصیت سے ناواقف ہیں، ممکن ہے کہ ان کے حالات میں ان کی اس تالیف کا سراغ مل جائے، ہمارے یہ فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری کا قیاس یہ ہے کہ جامع کا تعلق میرٹھ سے تھا کیونکہ آغاز ہی میں وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے جن دوستوں کے پیغام سلام عرض خدمت کئے وہ میرٹھ کے رہنے والے تھے (مولوی عسکری صاحب غلام ابیار خاں صاحب شیخ لطف اللہ و شیخ مبارک اللہ وغیرہ)

جامع کا نام علم میں نہ ہونے سے اگرچہ شاہ صاحب کی طرف ملفوظات کی نسبت مشتبہ اور محلِ نظر ہو جاتی ہے مگر ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے، اولاً تو مطبوعہ نسخے کے علاوہ جو مخطوطہ ہمارے پیش نظر ہے وہ ترتیب ملفوظات اور شاہ صاحب سے بہت قریب العہد ہے، پھر ملفوظات کے اکثر مشتملات کی دوسرے مآخذ (خصوصاً شاہ ولی اللہ کی تحریروں) سے بھی تصویب و تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے حواشی میں حسب ضرورت اس کی صراحت کر دی ہے۔

مؤلف کی دیانت کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں بھی وہ کسی ملفوظ کو بر وقت قلم بند نہیں کر سکے ہیں، انھوں نے اس کا اظہار کر دیا ہے مثلاً ایک مقام پر نصف ملفوظ نقل کر کے بقیہ نصف نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:۔

ازیں جا ایں قصہ بعد سہ ماہ بموجب	یہاں سے اس قصے کو تین مہینے کے بعد
یاد خود کہ باعتماد آں سفیدی گزاشتہ	لکھتا ہوں، اپنے حافظے کے بھروسے پر

بودم نوشتہ ام" ص۱۰۱ — میں نے یہاں جگہ چھوڑ دی تھی۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہر ملفوظ کو بروقت لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک مقام پر شاہ صاحب کی ایک تاریخی تحقیق کا صرف خلاصہ نقل کیا ہے کہ :—

ایں وقت بسبب ضیق فرصت	اس وقت فرصت نہ ہونے کی وجہ
بنقلم نمی آید مگر یاد است انشاء اللہ العزیز	سے پوری گفتگو نہیں لکھ رہا ہوں مگر یاد ہے
بشرطِ فرصت و یاد خواہم نگاشت ص۹۷	اللہ نے چاہا تو بشرط فرصت و یاد لکھوں گا[1]

اس سے بھی اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ وہ دن کے دن لکھ لینے کا اہتمام کر لیتے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ ملفوظات کے اندازِ بیان اور زبان سے ان کے اہلِ علم ہونے کا مظاہرہ نہیں ہوتا، اندازِ بیان علمی و ادبی نہیں ہے، زبان (فارسی) مقامی اور غیر معیاری تو ہے ہی مگر بالعموم اغلاط سے بھی خالی نہیں ہے۔

علم کی کمی ہی کی وجہ سے زیادہ تر اشعار، لطیفے اور قصص و حکایات نقل کیے ہیں۔ علمی موضوعات پر جن تقاریر کو نگاہیں کتاب میں ڈھونڈتی ہیں وہ نہیں ملتیں حالانکہ شاہ صاحب کی بزم میں زیادہ تر علمی و فنی موضوعات معرض کلام میں آتے ہوں گے اور شاہ صاحب ان پر دادِ تحقیق دیتے ہوں گے، جامع کو اگر علمی ذوق ہوتا اور ان تقریروں کو سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو ان کو محفوظ کر لیتے اور آج یہ سرمایہ ہمارے لیے بہت منفعت بخش ہوتا۔

بعض ملفوظات کی نسبت کی صحت تسلیم کرنے کی تو ہماری عقیدت کسی طرح اجازت نہیں دیتی، مثلاً ص۱۷ کا مکالمہ اور ص۶۶ کا شعر اور ص۵۵ کی حکایت، شاہ صاحب کے وقار

[1] مگر معلوم ہوتا ہے بعد میں فرصت نہیں ملی یا یاد نہیں رہا کیونکہ بعد میں بھی یہ اصل ملفوظ نہیں ملتا۔

[...]ت اور ان کی بزم کے تقدس و شائستگی سے اس قسم کے فحش لطیفوں اور عامیانہ اشعار [...] کوئی میل نہیں ملتا۔

بہر حال شاہ ولی اللہ کے احوال و سوانح کے سلسلے میں کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔ کتاب [...] جہاں جہاں شاہ ولی اللہ کا ذکر آیا ہے ہم نے انھیں ایک ترتیب سے جمع کر لیا ہے۔

[...] ولی اللہ کی تاریخ [...]دت و وفات[2]

تاریخ تولد شاہ ولی اللہ چہارم	شاہ صاحب کی تاریخ ولادت چہار شنبہ
[...]ال و چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ موجود تاریخ وفات	۴ شوال ۱۱۱۴ھ ہے اور تاریخ وفات
[...]د امام اعظم دیں" و گر "ہائے دل روزگار	"او بود امام اعظم دیں" اور "ہائے دل روزگار
[...]ت" بست و نہم محرم وقت ظہر ص۴۰	رفت" سے نکلتی ہے۔ (۱۱۷۶ھ) ۲۹ محرم وقت ظہر۔

[...] صاحب کا حافظہ

مثل والد [...] حافظہ ندیدہ ام ص۱۱	والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا۔

[...] صاحب کا تجربہ پانے میں

ہنگام سفر [...]معظمہ حضرت والد ماجد را در ملک [...] ہوتا نہ ثبوت پیوست کہ یک کھٹمل مثل [...] چھوٹی خورد بود از جہت زہر رنگ سبز [...] آمد ہر کہ را نیش می زد می مرد ص۲۳	مکہ معظمہ کے سفر کے دوران والد ماجد کو راجپوتانے میں اس بات کی تحقیق ہوئی کہ ایک کھٹمل، چھوٹے کچھوے کی طرح ہوتا ہے۔ زہریلا ہونے کی وجہ سے وہ سبز نظر آتا تھا جس کسی کو ڈنک مار دیتا تھا وہ مر جاتا تھا۔

[...]یدنا حسن کا قلم

چوں والد ماجد [...] معظمہ رسید حضرت امام حسن را بخواب	جب والد ماجد مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت امام حسن کو خواب میں دیکھا، حضرت نے

[2] [illegible] تحفہ الطیف ص۹۳، مطبع احمدی دہلی۔

دید کہ چادرے بر سر انداختند و قلم عنایت کردند و فرمودند ایں قلم جد من است بعد ازاں فرمود باش کہ امام حسین ہم بیاید چوں آمدند قلم را تراشیدہ بدست والد ماجد دادند دراں وقت حال نسبت و علم تقریر دگرگوں شد چنانچہ مستفیضان سابق ہرگز احساس نسبت سابق نمی کردند۔ ص ۸۳/۸۴

(شاہ صاحب کے) سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ٹھہریے، امام حسین بھی تشریف لاتے ہیں، جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے قلم کو تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا۔ اسی وقت سے نسبت باطن، علم اور تقریر کا رنگ تبدیل ہو گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب سے) پہلے استفادہ کیا تھا وہ سابقہ نسبت کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔

جو پڑھا لکھا تھا بھلا دیا | پدرمن وقت[علہ] رخصت از مدینہ از استاد خود عرض کرد و او خوش شد کہ ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردم الا علم دیں یعنی حدیث۔ ص ۹۳

میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت کے وقت اپنے استاد سے عرض کیا جس سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے علم دین یعنی حدیث کے علاوہ جو کچھ پڑھا تھا اسے بھلا دیا۔

(علہ انسان العین فی مشائخ الحرمین (انفاس العارفین) ص۱۹۲ میں فقیر بارہا از والد خود شنیدہ است کہ شیخ ابوطاہر رفتہ ایں بیت برخواند نسیت کل طریق کنت اعرفہ۔ الا طریقا یودینی الا ربعکم، پھر شنیدن آں بکا بر شیخ غالب آمد و بغایت مشتاق شد۔ فیوض الحرمین (مطبع احمدی ص۱۲) میں یہ واقعہ اس طرح ہے: میں ۱۰ صفر ۱۱۴۴ھ کی رات میں خواب میں دیکھا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت حسن کے ہاتھ میں قلم ہے جس کی نوک ٹوٹ گئی ہے آپ نے مجھے بخشنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اور فرمایا یہ ہمارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلم ہے۔ پھر فرمایا

(ٹھہرو) تاکہ حسین اُسے ٹھیک کر دیں۔ یہ قلم ویسا نہیں جیسا حسین نے اُسے بنایا تھا۔ پھر حسینؓ نے لے لیا اور مجھے عنایت فرما دیا جس سے میں خوش ہوا پھر ایک چادر جس پر ایک سفید دھاری تھی اور ایک سبز ان دونوں کے سامنے لا کر رکھی گئی، حضرت حسینؓ نے وہ چادر اٹھائی اور فرمایا یہ میرے نانا کی چادر ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مجھے اُڑھا دی، میں نے اُسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔)

سند حدیث | چہاردہ ماہ در حرمین بود و سند کردہ بعض جا استاد می فرمود معنی ایں حدیث تو بفرما و در سند اجازت نوشتہ سند از من کرد اگرچہ بہ از من ست۔ ص ۹۳

(والد ماجد) چودہ ماہ حرمین میں رہے اور سند حاصل کی بعض مقام پر استاد فرماتے تھے اس حدیث کے معنی تم بیان کرو۔ اور سند میں لکھا کہ انھوں نے مجھ سے سند حاصل کی ہے، اگرچہ یہ مجھ سے بہتر ہیں۔

تقسیم کار | حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می سپردند و خود مشغول معارف گوئی و نویسی می بودند و حدیث می خواندند بعد مراقبہ ہرچہ بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم کم می شدند عمر شریف شصت

حضرت والد ماجد نے ہر ایک فن کے لئے ایک شخص کو تیار کر دیا تھا اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے (فاضل کے) سپرد کر دیتے تھے۔ اور حقائق و معارف بیان اور تحریر کرنے میں مشغول رہتے تھے اور حدیث کا مطالعہ کرتے رہتے تھے مراقبہ کے بعد جو کچھ کشف ہوتا تھا

ص: سید ظہیر الدین احمد (زبادین الاحادیث ص۸۸) کے بیان کے مطابق شاہ صاحب ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ کو روانہ ہوئے تھے اور ۹ رجب ۱۱۴۵ھ کو واپس ہوئے (الجزء اللطیف ص۲۴۹ [illegible] ۲۸) سفر میں گزرے ان میں سے [illegible] ماہ آمد و رفت میں گزرے اور ۱۴ ماہ حرمین میں [illegible]

ویک سال چہار ماہ شُد۔

ص۱۰۷

اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بھی کم ہوتے تھے آپ کی عمر اکسٹھ[۱] سال چار ماہ ہوئی۔

ضبطِ اوقات | مثل والد ماجد شخصے کم بنظر آمد سوائے علوم وکمالات دیگر در ضبط اوقات، چنانچہ بعد اشراق کہ می نشست تا دوپہر زانو بدل نمی کرد وخارش نمی نمود وآب دہن نمی انداخت ص۱۰۷

دیگر علوم وکمالات کے علاوہ ضبط اوقات میں بھی والد ماجد کی طرح کم ہی کوئی آدمی نظر آیا، اشراق کے بعد جو بیٹھتے تھے تو پہلو بھی نہ بدلتے تھے، کھجاتے تھے نہ تھوکتے تھے۔

"مسیتا"[ملہ] | بندہ را عورات "مسیتا" می گفتند وجہش آں کہ در شب بست وپنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ بودم چوں والدین را کودک بسیار مردہ بودند مگر برائے من آرزو کمال بود دراں ہنگام بزرگان بسیار واولیاء بسیار از یاران والد ماجد مثل شاہ محمد عاشق ومولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد ہذا می بودند پس مارا غسل دادہ در محراب انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگان مارا قبول کردہ از طرف خدا انعام کردند ص۱۰۹

بندہ (شاہ عبد العزیز) کو عورتیں "مسیتا" کہتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ۲۵ رمضان کی شب میں سحر کے وقت پیدا ہوا ہوں، چوں کہ والدین کے بچے بچتے نہیں تھے اس لئے میری بڑی آرزو تھی۔ (میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور خدا رسیدہ حضرات مثلاً شاہ محمد عاشق اور مولوی نور محمد وغیرہ اسی مسجد میں معتکف تھے (ولادت کے بعد) مجھے غسل دے کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا ان بزرگوں نے مجھے قبول کر کے خدا کی طرف سے انعام (میں واپس) عطا کیا۔

*

ملہ مسجد کا عوامی تلفظ مسیت ہے، اسی کی نسبت سے "مسیتا" ہے یعنی مسجد والا، جسے مسجد کی نذر کیا گیا۔

شفقت پدری | والد ماجد بے بندہ طعام نمی خوردند ص۳۰

والد ماجد میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

شاہ صاحب کی تقریر | تقریر والد ماجد در درس وغیرہ وتقریر اکثر مرقص می شد" ص۹۸

درس وغیرہ میں والد ماجد کی تحریر و تقریر اکثر رقص آور لذت بخش ولطف انگیز ہوتی تھی۔

نسبت چشتیت | در ابتدا والد ماجد ہم ہموں غالب بود بعد ازاں انقلاب شد ص۹۸

ابتدا میں (جد امجد کی طرح) والد ماجد پر بھی نسبت چشتیت کا غلبہ تھا، بعد میں انقلاب ہوا۔

شاہ صاحب اور شیعیت | شخصے از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعی پرسید آں حضرت اختلاف حنفیہ دریں باب کہ است بیان کردند چوں مکرر پرسید جاں شنیدم کہ می گفت کہ ایں شیعی ست" ص۳۲

ایک شخص (متعصب سُنّی) نے والد ماجد سے شیعی کے کفر کے متعلق سوال کیا، آپ نے (اس کی مرضی کے خلاف) اس بارے میں احناف کا اختلاف بیان فرمایا (یعنی کفر پر اتفاق نہیں ہے) اس نے دوبارہ دریافت کیا اور یہی جواب پایا تو میں نے سنا ہے کہ کہنے لگا کہ یہ (خود) شیعی ہیں۔

شیعوں سے قرابت | بعضے از اقربائے قریبہ ما شیعہ غالی اند۔ ص۳۰

ہمارے بعض قریبی[ملہ] اعزہ غالی شیعی ہیں۔

کرامت | در وقت طفلی بیمار بودم حکیمے مداوی می کرد صحتیاب شدم والد ماجد آں

میں لڑکپن میں بیمار تھا ایک حکیم صاحب نے علاج کیا، میں صحت مند ہو گیا، والد

ملہ مثلاً میر قمر الدین منت جو شاہ صاحب کے قریبی عزیز اور شاگرد بھی تھے شاہ صاحب نے عجالہ نافعہ انہی کیلئے لکھا تھا۔

راحکم فرمودند کہ مارا چوں خوش ساختی بگو در حق تو دعائے کنم ہر چند خلاف وضع شریف بود لیکن فرمودند عرض کرد کہ نوکر شوم در ہموں ہنگام بلکہ شب صد روپیہ را مع سواری تعیناتی نوکر شد چوں آمدہ عرض کرد آں حضرت از زبان مبارک فرمودند ہمت شما قاصر بود کہ بر دنیا آں ہم حقیر اکتفا کردید ص۴۳،۴۴

ماجد نے اپنی وضع کے خلاف ان سے کہا بتلایئے میں آپ کے حق میں کیا دعا کروں؟ کہا :- میں نوکر ہو جاؤں، اسی زمانے میں بلکہ اسی رات سو روپیہ تنخواہ (معہ سواری) پر نوکر ہو گئے، جب حکیم صاحب نے آکر بتایا تو حضرت نے زبان مبارک سے فرمایا آپ کا حوصلہ ہی پست تھا کہ دنیا اور وہ بھی اس کے حقیر حصے پر اکتفا کی،

طب حکمت ہم در خاندان ما معمول بود چنانچہ جد بزرگوار و عم فقیر مداومی کردند والد ماجد و بندہ موقوف ساختہ - ص۴۴

ہمارے خاندان میں طب کا بھی مشغلہ تھا چنانچہ جد بزرگوار شاہ عبد الرحیم اور عم محترم شاہ اہل اللہ مطب کرتے تھے، والد ماجد اور میں نے یہ سلسلہ موقوف کیا ہے

ہر چند کہ والد ماجد بنا بر دوا و طبابت بحسب مصلحت و گیر منع فرمودہ بودند لیکن خوب چیز است گویا جان بخشی ہے ص۴۴

اگرچہ والد ماجد نے کسی مصلحت سے علاج اور مطب کرنے سے روک دیا تھا لیکن یہ طب بڑی خوب چیز گویا از جنس حالات مسیح جان بخشی ہے

شاہ صاحب کی غزل ۴۵ مدد بخش نامی ایک قوال کی درخواست پر شاہ صاحب کی ایک غزل عنایت فرمائی -

۴۴ در طب حدس ایشاں بغایت سلیم در سالہ بود براسق الولایت از شاہ ولی اللہ ص۶۵ / ۴۴ شاہ اہل اللہ ف ۱۱۸۵ھ

۴۵ حیات ولی ص۶۰۵ میں اس غزل کے حسب ذیل دو اشعار کا اضافہ ہے با جمال تو تشیں حسن دگر در کار نیست چشم او باز او نشانہ ام غافل از خود ماندہ از صورت جو بر شد آئینہ تا تو انیست چشم بانا ز خود بیگانہ ام ——— مگر ملفوظات کا شعر حیات ولی میں نہیں ہے۔

من نہ انم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام
عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام

مبتلائے حیرتم جاں گو ہمت یا بان جاں
اصطلاح شوق لیلیٰ راست و من دیوانہ ام

ہست ہر عنصر بود سودے مقر اصلیش
جذبہ اصل است سر شوریدہ مستانہ ام

شوق موسیٰ در ظہور آورد نار نور را
در رہ او شمع آتش میزند پروانہ ام

ست ایمن ابر سینم زام تجدد تہمت است
در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام ص۱۰

ایک اور غزل :-

بگلشن بگذری گل بر زمیں مفتوں شود
در رعنائی قامت خود سرو موزوں شود

امشب ست دانا رانہ با نام و نشاں
جذبہ لیلیٰ نماید بیابا گر مجنوں شود

در مفلس را جہاں یکسر محل آفت ست
شیشہ گر خالیست گر بادش رسد افزوں شود ص۱۱

ایک رباعی :-

در صحبت اہل دل رسیدیم شبے
بس دردے یزدگان زبانے یک نفسے

از چشمہ آب زندگانی قدحے
در آتش داود مقدس قبسے ص۱۰۳

ایک قطعہ :-

در تعریف تشریف بردن والد
اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ کے

بہ خود و بہ گفتن صاحب زادہ
کھمبر تشریف لے جانے اور ایک لڑکے کے

در حق شیخ آدم بنوری ناراضی شاں
شیخ آدم بنوری کی شان میں گستاخی کرنے
اور والد ماجد کی ناراضی کا ذکر کرکے ان کا یہ قطعہ پڑھا،

۴۶ بیدی مجنوں پیشہ اہم عبد الرحیم طبع آزمائی فرمائی تھی تا طبع غیر از خوشنمائی ہائی آید درخت بید بلا دیدم کہ دائم بے ثمر باشد ص۲۳ حیات ولی میں اس شعر کو شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف سے منسوب کیا ہے۔ ص۵۱۱

شخصے بخوردہ گیری ما عاجزاں فتاد
گفتم کہ حرف راست بگویم زناریخ
زاں رو کہ در طریقۂ مخدوم آدمیم
تو آدمی بنودی و ما آدمی شدیم

وصیت نامہ ارشاد شد کہ وصیت نامۂ والد ماجد نقل کردہ بگیرند بسیار نافع است ۔ ص٥

فرمایا :- والد ماجد کا رسالہ وصیت نامہ نقل کرکے رکھیں بہت مفید ہے ۔

مسلک فقہی دریں مقدمہ اختیار حضرت والا خوب است یعنی اگر یکے از مجتہداں باآں عمل کردہ باشد ترجیح حدیث است عمل کند والا ترک دہد چراکہ خالی از سبب سکوت ہمہ انیست و ایں چنیں شاید چہار حدیث خواہند بود ۔ ص٩١

اس (تقلید کے) مسئلہ میں والد ماجد کا مسلک خوب ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہو تو ترجیح حدیث کو دی جائے گی ورنہ حدیث کے بجائے قول مجتہد پر عمل کیا جائے گا اس لئے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا سکوت (اس حدیث پر عدم عمل) بے سبب نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی شاید تعداد میں چار ہوں گی (جن پر کسی ایک امام کا بھی عمل نہ ہو ۔

ایک فتویٰ آں حضرت فرمود کہ از ابی داؤد حدیث نقل می کنند کہ آں حضرت

(اس سوال پر کہ کھانے کے بعد آٹے سے ہاتھ دھونے کا کیا حکم ہے ؟) آپ نے

ماہ وصیت نامہ النقاۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوقیہ کے نام سے فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جو ۱۲۸۲ء میں ہگلی (بنگال) سے پہلی بار شائع ہوا تھا۔ حال ہی ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری ایم اے نے یہ وصیت نامہ مترجم چند دوسرے وصیت ناموں کے ساتھ وصایائے اربعہ کے نام سے مرتب کیا ہے اور شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوا ۔

مہ خوان آلود حیضی زنے را برائے صفائی از نمک شستن فرمودہ بود چوں ہم چیز محترم است و طعام ہم محترم پس درست شد کہ از آرد وغیرہ اگرچہ د گندم باشد درست باید شست یں چیزہائے دیگر سوائے طعام کہ دریں مادہ بکار می برند بہتر ست آرد ہم جائز باشد ۔ ص٩٠

فرمایا :- ابو داؤد سے منقول ہے کہ آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک عورت کے خون حیض سے آلودہ کپڑوں کو نمک سے دھو کر صاف کرنے کا حکم دیا تھا اور چونکہ نمک بھی محترم ہے اور کھانا بھی اس لئے آٹے وغیرہ سے چاہے وہ گیہوں کا آٹا ہی کیوں نہ ہو ہاتھ دھونا درست ہے لیکن کھانے کی چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو اس کام میں لائی بھی جاتی ہیں ہاتھ دھونا بہتر ہے ۔

ایک جزیرہ شخصے از قبلہ گاہی عرض می کرد کہ در جزیرہ رفتہ بودم نجا سوائے نارجیل و ماہی از قسم طعام نمی شود مگر ایں کہ از ملک دیگر بیند چیاں چہ آں کس را اشتاد و دو طعام از ترکیب ہمیں دو پزیدن می دانم ۔ ص١١١

ایک شخص نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ میں ایک جزیرہ میں گیا تھا ، وہاں کھوپرے اور مچھلی کے علاوہ کھانے کی اور چیز دستیاب نہیں ہوتی الّا یہ کہ کسی دوسرے مقام سے لے آئیں ، چنانچہ اس شخص کو بیاسی قسم کے کھانے انہی دو چیزوں سے پکانا آتے تھے ۔

چین میں بلّی در ملک چین گربہ کم تر می باشد و موش بالبسیار جری شخصے

چین میں بلّی بہت کم ہوتی ہے اور چوہے بڑے دلیر ہوتے ہیں ۔ ایک شخص نے والد

از والد ماجد نقل می کرد که هم راه من گربه
بود تا جائے که در چین می روند رفتم
دیدم که گلوله بازاں در وقت طعام
راجه برائے رفع موشاں می استادند
می گفتم جانورے در هند به پانصد روپیه
می آید از آوازش موشاں می رمند
چنانچه فروختم از آوازش بالکل موشاں
رمیدند۔ ص ۶۷

عذابِ قبر | قصه عجیب است
پیش حضرت والد ماجد بقسم غلیظ می
گفت [illegible] کشمیرے بطرف ملک دکن
[illegible] ب [illegible] و [illegible] ادر چیاں نوکر
[illegible] ں م [illegible] ستور آں جا
[illegible] ه [illegible] یں کس راهم
[illegible] مها [illegible] بید وقت شب
[illegible] فرشته [illegible] ب [illegible] در حدیث آمده
است [illegible] بعد از [illegible] رفتن آنها بگوشه رفتم
معلوم نیست مارا چه سوال و جواب شد

سے بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک بلّی تھی
اور چین میں جہاں تک جاتے ہیں (جاسکتے
ہیں) میں گیا، میں نے دیکھا راجہ کے کھانے
کے وقت گلولہ باز چوہوں کو بھگانے
کے لئے کھڑے رہتے ہیں۔ میں نے کہا
ہندوستان میں ایک جانور پانچ سو روپیہ
میں آتا ہے، اس کی آواز سے چوہے بھاگ
جاتے ہیں چنانچہ میں نے بلّی وہاں بیچ دی
اور اس کی آواز سے چوہے بھاگ گئے

حضرت والد کے سامنے سخت قسم
کھا کر ایک عجیب وغریب قصہ بیان
کیا ایک کشمیری ملک دکن کی طرف گیا
اور راجہ کے یہاں باورچیوں میں ملازم
ہوگیا۔ اسکے مرنے کے بعد وہاں کے دستور
کے مطابق دوسرے خاص خادموں کی
نعش کے ساتھ سرد خانے میں رکھا۔ کیا
دیکھا کہ رات کے وقت دو فرشتے ڈراؤنی صورت
جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آئے۔ میں اُن کے
خوف سے ایک کونے میں چلا گیا مجھے معلوم نہیں

آخرش او را می زدند اعضائیش ریزه
ریزه شدند ما هم بے هوش شدیم
و بعضے مردند من کلمه می خواندم و فرشتها
جانب من دیدند و مارا بعد از گفتن که
چرا آمده بودی در کشمیر رسانیدند پارچه
از اعضائیش که به بدن من ریزه شده
رسیده بود سوزش آں نمی رفت هر چند
معالجه کردم به نمی شد در دهلی آمدم
پیش بزرگاں و اطباء رجوع کردم هیچ فائده
نه شد مگر عم شما ابو رضا محمدؒ درود فرمودند
تا جائیکه بر دست اُف زده بر آں می
مالم تسکین می نماید سخت تنگ
هستم۔ ص ۶۸، ۶۹

کیا سوال وجواب ہوئے آخر کار اس کو
مارتے تھے اس کے اعضاء ریزہ ریزہ
ہوگئے۔ میں بھی بے ہوش ہوگیا۔ میں کلمہ
پڑھتا تھا اور فرشتے میری جانب دیکھتے
اور مجھ سے دریافت کرنے کے بعد کہ یہاں
کیوں آیا کشمیر پہنچا دیا، اس کے اعضاء جو
ریزہ ریزہ ہوگئے تھے، ان میں سے ایک
ٹکڑا میرے جسم کو لگ گیا اس کی سوزش نہیں
جاتی، بہت کچھ علاج ومعالجہ کیا لیکن فائدہ
نہ ہوا، دہلی آیا ہوں بزرگوں اور طبیبوں کی
طرف رجوع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آپ کے
چچا ابو رضا محمد نے فرمایا کہ اس طرح درود
شریف پڑھ کر ہاتھ پر دم کرتا ہوں اور اس
جگہ ملتا ہوں اس سے تسکین ہوتی ہے۔
بہت زیادہ تنگ ہوں۔

سنین حیات شاہ ولی اللہؒ

ولادت ۴ شوال	۱۱۱۴ھ	۱۷۰۳ء
ولادت برادرِ خورد شاہ اہل اللہ	۱۱۱۹ھ	۱۷۰۸—۷ء
رسمِ مکتب	۱۱۱۸ھ	۱۷۰۷—۶ء
تعلیم نماز، پہلا روزہ، ختم قرآن	۱۱۲۱ھ	۱۷۱۰—۹ء
شرح جامی	۱۱۲۴ھ	۱۷۱۲ء
ازدواج	۱۱۲۸ھ	۱۷۱۵ء
وفات خوش دامن	۱۱۲۸ھ	۱۷۱۵ء
بیعت	۱۱۲۹ھ	۱۷۱۷ء
فراغت درس، اجازت تدریس	۱۱۲۹ھ	۱۷۱۷ء
اجازت بیعت و ارشاد	۱۱۳۱ھ	۱۷۱۹ء
وفات والد شاہ عبدالرحیم ۱۲ صفر	۱۱۳۱ھ	۱۷۱۹ء
اجازت بنام شیخ بدرالحق پھلتی	۱۱۴۲ھ	۱۷۳۰ء

آغاز سفر حج ۸ ربیع الثانی	۱۱۴۳ھ	۱۷۳۱ء
مراجعت وطن ۱۴ رجب	۱۱۴۵ھ	۱۷۳۳ء
اجازہ بنام شیخ نوراللہ	۱۱۴۶ھ	۱۷۳۴ء
تالیف ہمعات	۱۱۴۸ھ	۱۷۳۵ء
تفسیر فتح الرحمٰن	۱۱۵۱ھ	۱۷۳۸ء
اجازہ بنام مولوی محمد شریف	۱۱۵۳ھ	۱۷۴۰ء
اجازہ بنام شاہ محمد عاشق	۱۱۵۵ھ	۱۷۴۲ء
قصیدۂ اطیب النغم	۱۱۵۶ھ	۱۷۴۳ء
عقد ثانی	۱۱۵۷ھ	۱۷۴۴ء
قصیدۂ ہمزیہ	۱۱۵۷ھ	۱۷۴۴ء
اجازہ بنام خواجہ محمد امین کشمیری	۱۱۵۸ھ	۱۷۴۵ء
اجازہ بنام شیخ محمد بن پیر محمد	۱۱۵۹ھ	۱۷۴۶ء
ولادت شاہ عبدالعزیز	۱۱۵۹ھ	۱۷۴۶ء
اجازہ بنام مولوی عبدالرحمٰن	۱۱۶۰ھ	۱۷۴۷ء
تبییض الخیر الکثیر	۱۱۶۱ھ	۱۷۴۸ء
ولادت شاہ رفیع الدین	۱۱۶۳ھ	۱۷۴۹ء
ولادت شاہ عبدالقادر	۱۱۶۷ھ	۱۷۵۳ء
ولادت شاہ عبدالغنی	۱۱۷۱ھ	۱۷۵۸—۷ء
اجازہ بنام شیخ جاراللہ	۱۱۷۳ھ	۱۷۶۰—۵۹ء

ولادت امۃ العزیز ۱۱۷۵ھ / ۱۷۶۱ء

وفات ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء

حیات شاہ ولی اللہ کے چند خاص مآخذ

معاصر مآخذ:

الروضۃ القیومیہ از ابوالفیض کمال الدین محمد احسان

مقامات مظہری از شاہ غلام علی مطبوعہ ۱۸۹۱ء

مناقب فخریہ از نواب غازی الدین خاں مطبوعہ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء

فخر الطالبین از نور الدین حسین فخری " " "

القول الجلی (قلمی) شاہ محمد عاشق

مقدمۃ الخیر الکثیر "

مکتوبات شاہ ولی اللہ (قلمی) مرتبہ شاہ عبدالرحمن و شاہ محمد عاشق

سیاسی مکتوبات شاہ ولی اللہ مرتبہ خلیق احمد نظامی۔

مکتوبات مع مناقب امام بخاری مرتبہ خواجہ محمد امین ولی اللہی۔ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی

انفاس العارفین شاہ ولی اللہ (مشمولہ الجزء اللطیف) مطبع احمدی دہلی۔

مکتوبات المعارف ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۸ء

ملفوظات شاہ عبدالعزیز تالیف ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء

مطبوعہ ۱۳۰۲ھ

وقائع عبدالقادر خانی مرتبہ محمد ایوب قادری تالیف ۱۸۲۱ء

آثار الصنادید سر سید احمد خاں تالیف ۱۸۴۶ء

الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی از محسن ترہتی " ۱۸۶۳ء

کمالات عزیزی نواب مبارک علی خاں ۱۸۷۲ء

مقالات طریقت عبدالرحیم ضیا ۱۸۷۴ء

ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں ۱۸۸۰ء

اتحاف النبلاء " ۱۲۸۸ء

الحطہ بذکر الصحاح الستہ " "

حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی "

تذکرہ علماء ہند رحمن علی ۱۸۹۰ء

مقدمہ فتاوی شاہ عبدالعزیز از مرزا محمد بیگ دہلوی مطبوعہ ۱۸۹۲ء

یادگار دہلی سید احمد ولی اللہی ۱۸۹۲ء

خاتمہ تاویل الاحادیث " "

خاتمہ تکملہ ہندی " "

حالات عزیزی " "

حیات عزیزی رحیم بخش دہلوی ۱۸۹۹ء

حیات ولی " ۱۹۰۱ء

واقعات دار الحکومت دہلی بشیر الدین احمد ۱۹۱۹ء

نزہۃ الخواطر مولوی عبدالحی وفات مؤلف ۱۹۲۳ء

امیر الروایات ۱۹۲۵ء

التحفۃ الدھلویہ	عبدالوہاب دہلوی مکی	۱۹۳۳ء
الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر		۱۹۴۰ء
تصانیف مولٰنا عبیداللہ سندھی		۱۹۴۰ء اور بعد

تصانیف شاہ ولی اللہ

تصانیف مطبوعہ:

تفسیر فتح الرحمٰن،	مطبع ہاشمی میرٹھ [۵ہ]	۱۲۸۵ھ/۱۸۶۹ء
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر،	مطبع احمدی ہوگلی	۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء
فتح الخبیر (الفوز الکبیر کا باب پنجم)	"	"
تاویل الاحادیث	مطبع احمدی دھلی	
مقدمہ در فن ترجمۂ قرآن	اصح المطابع کراچی	
المصفّٰی شرح موطا جلد اوّل	مطبع فاروقی دھلی	۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء
المسوّٰی شرح موطا عربی	مطبع مرتضوی دھلی	۱۲۹۳ھ برحاشیہ مصفّٰی
المصفّٰی، فارسی	"	۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء
چہل حدیث	مطبع احمدی ہوگلی	۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء
الدرالثمین	سہارن پور	۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء
النوادر	"	"
الارشاد الٰی مہمات الاسناد	مطبع احمدی دہلی	۱۳۰۷ھ

۵ہ ہم صرف پہلی اشاعتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

تراجم ابواب بخاری	سہارن پور	۱۲۹۲ھ/۱۸۸۸ء
شرح تراجم بعض ابواب بخاری	حیدرآباد دکن	۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء
انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	مطبع احمدی دہلی	۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء
اتحاف النبیہ (انتباہ کے باقی دو ابواب)	مکتبہ سلفیہ لاہور	۱۹۶۹ء
حجۃ اللہ البالغہ	مطبع صدیقی بریلی	۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء
البدور البازغہ	مجلس علمی ڈابھیل	۱۳۵۴ھ
الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	مطبع صدیقی بریلی [۱ہ]	۱۳۰۷ھ
عقد الجید	"	۱۳۰۹ھ
قرۃ العینین	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۱۰ھ
حسن العقیدہ	مطبع احمدی دہلی	
وصیت نامہ	مطبع احمدی ہوگلی (سال طباعت ندارد)	
تفہیمات الٰہیہ حصہ اول (ناقص)	ناشر مولوی سید عبدالغنی دہلی (سن ندارد)	
"	(مکمل) مجلس علمی ڈابھیل	۱۹۳۶ء
الخیر الکثیر	"	۱۳۵۴ھ
فیوض الحرمین	مطبع احمدی دہلی	۱۳۰۸ھ
القول الجمیل	مطبوعہ	
ہمعات	ناشر مولٰنا نورالحق علوی [۲ہ] لاہور	۱۹۴۱ء
لمحات	شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ (سن ندارد)	

۱ہ اس سے پہلے کئی بار طبع ہو چکی تھی۔

۲ہ اس سے پہلے بھی ایک بار شائع ہو چکی تھی۔

سطعات	مطبع احمدی دہلی	۱۳۰۷ھ
الطاف القدس	"	"
ہوامع	"	"
کشف الغین فی شرح رباعیتین	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۱۰ھ
سرور المحزون	دار الاشاعت کراچی	۱۳۵۸ھ
ازالۃ الخفا	مطبع صدیقی بریلی	۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء
انفاس العارفین مع الجزء اللطیف	مطبع احمدی دہلی (سن ندارد تقریباً ۱۳۱۶ھ)	
السر المکتوم		
سیاسی مکتوبات	مرتبہ خلیق احمد نظامی، دہلی	۱۹۵۰ء
مکتوبات المعارف	مطبع مطلع العلوم سہارنپور	۱۳۰۴ھ
مکتوبات مع مناقب امام بخاری	مطبع احمدی دہلی	۱۳۰۸ھ
قصیدہ اطیب النغم	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۰۸ھ
قصیدہ ہمزیہ	"	"
صرف میر منظوم	مطبع محمدی لاہور	۱۲۹۳ھ
رسالہ دانشمندی	مطبع احمدی دہلی	۱۸۹۹ء

تصانیف غیر مطبوعہ

(۱) المقدمۃ السنیۃ فی انتصار الفرقۃ السنیۃ (شیخ مجدد کے ایک فارسی رسالہ رد روافض کی تعریب مع ایک تمہید) کتب خانہ سعیدیہ ٹونک میں اس کا ایک نسخہ ہے۔

(۲) دعاء الاعتصام شاہ عزیز نے رسالہ فیض عام (مشمولہ فتاوی شاہ عبدالعزیز ۱۸۱) میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عاشق نے اس کی شرح لکھی تھی، شاہ ولی اللہ نے اس شرح کی ایک منظوم تقریظ بھی لکھی تھی۔

(۳) النخبہ فی سلسلۃ الصحبہ، شاہ ولی اللہ نے شیخ جار اللہ کو ۱۱۴۳ھ میں جو سند اجازہ دی تھی اس میں اپنی تصانیف میں اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ (المسوی طبع مکہ معظمہ مقدمہ ص۵۳)

(۴) مجموعہ مکاتیب۔ شاہ محمد عاشق کے فرزند شاہ عبدالرحمن نے شاہ ولی اللہ کے مکاتیب کا ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا، ان کی وفات تک ۱۸۱ مکاتیب، جمع ہوئے تھے شاہ عاشق نے اس حصے کو جلد اول قرار دے کر دوسری جلد کا آغاز کیا اور اس میں مزید ۷۷ خطوط جمع کئے اس طرح ۲۵۸ خطوط ہو گئے، یہ مجموعہ مکاتیب مولینا مرتضیٰ حسن چاندپوری کے کتب خانے میں ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اسی میں سے سیاسی خطوط کا انتخاب شائع کیا ہے۔ (سیاسی مکتوبات مقدمہ)

(۵) "الفضل المبین فی المسلسل من الحدیث النبی الامین" اس کتاب کا ذکر شاہ صاحب نے اپنی ایک سند مرقومہ ۱۱۵۹ھ بنام شیخ محمد بن پیر محمد بن شیخ ابوالفتح میں کیا ہے جو کتب خانہ بانکی پور میں صحیح بخاری کے ایک نسخے پر مرقوم ہے اور جس کا عکس "الخیر الکثیر" مطبوعہ ڈابھیل کے آغاز میں ہے۔

(۶) حاشیہ رسالہ لبس احمر، شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کے اس رسالہ کا ذکر فرمایا ہے۔ (فتاوی شاہ عبدالعزیز ص۱۲۵)

(۷) اسرار فقہ

(۸) منصور ــ ان دونوں کتابوں کا ذکر مولینا سیّد محمد نعمان رائے بریلوی نے اپنے ایک مکتوب بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں کیا ہے (الفرقان صفر ۱۳۸۵ھ مولینا نسیم احمد فریدی)

(۹) فتح الودود فی معرفۃ الجنود

(۱۰) شفاء القلوب

(۱۱) عوارف

(۱۲) واردات

(۱۳) نہایات الاصول

(۱۴) الانوار المحمدیہ

(۱۵) فتح السلام

(۱۶) رسالہ در ذکر روافض در ردّ گوہر مراد" [علہ]

(۱۷) کشف الانوار ــ (۹ سے ۱۷ رسائل یا کتب کا ذکر عبدالرحیم ضیا نے مقالات طریقت ص۹ پر کیا ہے، ۵ سے ۱۷ تک کے رسائل یا کتب کے صرف اسماء ہی معلوم ہیں، نہ صرف یہ کہ یہ طبع نہیں ہوئے بلکہ یہ تک معلوم نہیں کہ یہ مخطوطات کی شکل میں کہاں کہاں پائے جاتے ہیں ؟

تلامذہ و مریدین شاہ ولی اللہ

شاہ اہل اللہ پھلتی	خاتمہ تکملہ ہندی ص۶۵

علہ گوہر مراد عبدالرزاق لاہجی شاگرد صدر شیرازی کا رسالہ ہے۔

شاہ محمد عاشق پھلتی	تفہیمات الٰہیہ جلد اوّل ص۱۲۰
شاہ عبدالعزیز	عجالہ نافعہ
شاہ رفیع الدین	
خواجہ محمد امین، ولی اللّٰہی	فتح الرحمٰن، مکتوبات مع مناقب ص۲۹
قاضی ثناء اللہ پانی پتی	مکتوب قاضی صاحب در کلمات طیبات ص۱۵۹
	استقصار الافہام ص۵۰ از مولوی حامد حسین کنتوری
مخدوم محمد معین تتوی	مکتوبات مع مناقب ص۲۶، التحفۃ الدھلویہ
مولوی مخدوم لکھنوی	تذکرہ علمار ہند ص۲۲۳
مولوی رفیع الدین مراد آبادی	حدائق الحنفیہ ص۴۴۳ نزہۃ الخواطر ص۱۸۲
مولوی امین اللہ نگینہوی	نزہۃ الخواطر ص۵۷ تاریخ مدرسہ عالیہ ص۱۰۷
جار اللہ بن عبدالرحیم لاہوری ثم المدنی	المسوّیٰ طبع مکہ ص۵۳
عبدالہادی	معارف، اعظم گڈھ (مولینا منظور الحسن برکاتی)
شاہ ابوسعید رائے بریلوی	خاتمہ تادیل الاحادیث ص۹۹ نزہۃ الخواطر
	التحفۃ الدھلویہ طبع مکہ۔
سیّد مرتضیٰ زبیدی بلگرامی	التحفۃ الدھلویہ
شیخ محمد بن ابی الفتح بلگرامی	
فخر الدین منت	فخر الطالبین ص۲۰
نور اللہ بن معین الدین پھلتی	تفہیمات الٰہیہ جلد اوّل ص۱۴۰
محمد شریف بن خیر الدین بن عبدالغنی	" " ص۴۳

اکھمانہ کوٹ (سندھ)	تفہیمات الٰہیہ جلد اوّل
حافظ عبدالرحمٰن ٹھٹوی	" " ص۲۲۰
شیخ بدرالحق پھلتی	" جلد ثانی ص۲۲۷
محمد عابد بن علاء الدین پھلتی	" جلد اوّل ص۱۴۰
میاں داؤد	فخر الحسن از مولٰنا فخر الدین دہلوی
مولٰنا خیر الدین سورتی	تراجم علماء حدیث
سید جمال الدین رام پوری	علم و عمل ص۱۶۴
مخدوم محمد امین والد محمد معین ٹھٹوی	تراجم علماء حدیث
شیخ محمد بن پیر محمد بن ابی الفتح	"
عبداللہ خاں رام پوری	"
محمد سعید خاں رام پوری	"
شاہ نثار علی الٰہ آبادی ثم مظفر آبادی	"
شیخ ابراہیم آفندی	مکتوبات مع مناقب ص۹
حافظ عبدالنبی عرف عبدالرحمٰن	خاتمہ تاویل الاحادیث ص۵۸
سید شرف الدین محمد	" "
مرزا رستم علی بیگ (مرید)	مقالات طریقت ص۲۴۷
بابا فضل اللہ کشمیری	مقالات طریقت ص۱۳۱
بابا محمد عثمان کشمیری	حدائق الحنفیہ ص۴۵۷

شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان

کی

تحریرات میں تحریفات

فتنۂ تاتار اور زوال ملک مستعصم سے ماقبل کے علماء اور مصنفین کی کتابیں نایاب اور ناپید ہو گئیں تو اس کا سبب ظاہر تھا اور اسی سبب کے زوال کی بنا پر مابعد فتنہ کے علماء و مصنفین میں سے بیش تر کی بیش تر کتابیں آج کہیں کہیں دستیاب ہیں۔

لیکن جو معاملہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تالیفات کے ساتھ ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے، کہا جا سکتا ہے کہ سقوط دہلی (۱۸۵۷ء) کے اثرات کو اس میں دخل ہوگا مگر یہ بات اس لئے قرینِ صحت نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات کی کم یابی و نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوط دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا، ۱۸۳۴ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہوگلی سے الفوز الکبیر شائع کی تو انھیں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ملا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سقوط دہلی سے ۲۳ سال پہلے ہی شاہ صاحب کی کتابیں کم یاب تھیں کیوں کہ سید عبداللہ اس خانوادے کے نیاز مندوں میں سے تھے اور ان کے اکابر حلقے سے مراسم تھے مطبع

احمدی بھی صرف اسی حلقے کی کتابوں کی اشاعت کے لیے قائم کیا تھا۔

شاہ صاحب کی کتابوں کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ تقریباً ۱۲ رسائل و کتب ایسے ہیں جن کے صرف ناموں ہی کی حد تک دنیا ان سے واقف ہے۔ آج تک کم سے کم خاکسار کے علم میں ان کتابوں کا کوئی مخطوطہ نہیں ہے[عہ۱]:

(۱) فتح الودود فی معرفۃ الجنود (۲) شفاء القلوب (۳) عوارف (۴) نہایات الاصول (۵) الانوار المحمدیہ (۶) فتح السلام (۷) کشف الانوار (۸) اسرار فقہ (۹) منصور (۱۰) حاشیہ رسالہ لبس احمر (۱۱) دعاء الاعتصام (۱۲) النخبہ فی سلسلۃ الصحبہ

دو کتابیں نایاب تو نہیں ہیں یعنی ان کے ایک ایک مخطوطے کا دنیا کو علم ہے مگر وہ ابھی تک غیر مطبوع ضرور ہیں، (۱) المقدمۃ السنیہ فی انتصار الفرقۃ السنیہ (۲) مجموعہ مکاتیب (مرتبہ شاہ عبد الرحمٰن و شاہ محمد عاشق)

شاہ صاحب کے مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔

(۱) البلاغ المبین پہلی بار ۱۳۰۷ھ مطبع محمدی لاہور سے ایک اہلِ حدیث عالم مولینا فقیر اللہ نے شائع کی۔ [عہ۲]

(۲) تحفۃ الموحدین، سب سے پہلے ایک اہلِ حدیث بزرگ حاجی عبد الغفار دہلوی (علی جان والے) نے شائع کی۔ [عہ۳]

عہ۱ کتب ۱ سے ۷ تک کے نام مقالات طریقت میں ہیں، کتب ۸ و ۹ کے نام مکتوب بسید محمد نعمان (مکتوبات المعارف) میں ہیں، کتاب ۱۰ کا نام شاہ عبد العزیز کی ایک تحریر (مجموعہ فتاوی) میں ہے ۱۱ کا ذکر بھی فتاوی میں ہے۔ ۱۲ کا نام خود شاہ صاحب نے اپنی ایک سند عطا کردہ شیخ جار اللہ میں ہے۔ عہ۲ پروفیسر محمد ایوب قادری وصایا اربعہ عہ۳ حیات ولی طبع اول المکی المطابع صفحہ آخر ۱۹۰۰ء

(۳) اشارہ مستمرہ، پہلی بار مولوی فضل الرحمٰن استاذ جامعہ ملیہ دہلی نے ۱۹۳۶ء میں مکتبہ عربیہ قرول باغ دہلی سے شائع کیا تھا۔ [عہ۱]

(۴) قول سدید کے نام سے بھی ایک رسالہ شاہ صاحب کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں عدمِ تقلید کی تلقین و تائید کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بھی اہلِ حدیث حضرات نے ہی شائع کیا ہوگا۔ [عہ۲]

مندرجہ رسائل میں اہل السنت والجماعت کے نظریات سے متضاد نظریات اور وہ متشددانہ افکار پیش کئے گئے ہیں جن کو یہ حضرات "تمسک بالکتاب والسنۃ" کا نام دیتے ہیں اور جو کتاب توحید کی بازگشت ہیں۔ اس طرح شاہ صاحب سے احناف کو جن کی برصغیر میں اکثریت ہے بدظن اور دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

ایک دوسرے فرقے اربابِ تشیع نے ایک دوسرے پہلو سے یہی کوشش کی اور شاہ صاحب کی طرف دو ایسی کتابیں منسوب کیں جو ان کے تاریخی اور کلامی مسلک سے متناقض ہیں (۱) قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسینین (۲) جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ۔ مرزا علی لطف نے اپنے تذکرہ شعرا گلشنِ ہند[عہ۳] میں ان دونوں کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ گلشنِ ہند ۱۸۰۱ء کی تالیف ہے، گویا شاہ صاحب کی وفات کے ٹھیک چالیس سال بعد ہی سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا مولوی محبوب علی دہلوی[عہ۴] لکھتے ہیں "شاہ ولی اللہ پر افضیوں نے تہمت اور بہتان کیا کہ اس نے رد شہادت حسین کا لکھا ہے۔" کل رسائل و کتب تصنیف کر کے شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دینے کے علاوہ ایک ہلاکت خیز حرکت

عہ۱ و عہ۲ وصایا اربعہ، پروفیسر محمد ایوب قادری۔ عہ۳ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند حیدرآباد دکن ۱۹۰۶ء مرتبہ مولینا شبلی نعمانی۔ عہ۴ تنبیہ الضالین ص۱۲۵

یہ کی گئی کہ شاہ صاحب کی تالیف میں جا و بیجا ترمیم و اضافہ اور تحریف بھی کردی گئی۔

(۱) تاویل الاحادیث کی تازہ اشاعت مرتبہ مولٰنیا غلام مصطفےٰ قاسمی شائع کردہ شاہ ولی اللہ اکادمی حیدر آباد سن ۱۹۶۶ء کے مقدمہ میں ایک عجیب اختلاف نسخ کی نشان دہی کی گئی ہے اور شق قمر کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے منفردانہ نقطۂ نظر کے سلسلے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ شاہ صاحب نے وہ ایک دوسرے عالم کا قول نقل کیا ہے۔ مگر عام متداول و مطبوعہ نسخے میں مقولہ رہ گیا۔ اور قائل کا نام حذف ہو گیا۔ یہ بدنام اور نشانۂ اعتراض بنانے کی سازش نہیں ہو سکتی؟

(۲) ہمعات، حیدر آباد سندھ سے ۱۹۶۴ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے حواشی کے اختلاف نسخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رسالے کے مطبوعہ و مخطوطہ نسخوں میں نمایاں اختلافات ہیں۔

(۳) عقید الجید کا اردو ترجمہ مولٰنیا محمد احسن نانوتوی نے سلک مروارید کے نام سے ۱۳۰۹ھ میں شائع کیا تھا، اس رسالے کے آخری اوراق میں ایک جگہ فتح القدیر کا اقتباس ہے، اس پر حاشیے میں مولٰنیا محمد احسن لکھتے ہیں[1]۔

"قلمی نسخے میں انجام اس رسالے کا اس نقطہ پر ہے فتح القدیر کی عبارت آخر کتاب تک، اس (نسخے) میں نہیں ہے معلوم نہیں خود مؤلف نے بعد کو بڑھائی یا کسی اور نے"۔

یہی معاملہ شاہ صاحب کے اخلاف کرام کی تالیفات کے ساتھ کیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز کا تحفۂ اثنا عشریہ شائع ہونے کے بعد ایک صاحب نے لکھنؤ سے

[1] ص ۹۵

انھیں خط لکھا جس میں تحفہ کے بعض ایسے الفاظ و عبارات کا حوالہ دیا جو شاہ صاحب نے لکھے ہی نہیں تھے، چنانچہ شاہ عزیز نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا[1]

"تعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ از فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفۂ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہب الشاں یعنی گروہ رفضہ از قدیم بر ہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔"

(اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹیں میں نے نہیں کیں اگر تحفۂ اثنا عشریہ کے کسی نسخے میں ایسی عبارتیں ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہوں گی کیونکہ روافض کے مذہب کی بنیاد ہی شروع ہی سے فتنہ انگیزی اور مکر و کید پر ہے یہ کام بھی انھوں نے ہی کیا ہوگا، چنانچہ میں نے سنا ہے کہ تحفہ میں بھی انھوں نے الحاق شروع کر دیا ہے (جس کا ثبوت آپ کا یہ خط بھی ہے)

(۲) مولوی سید احمد ولی اللہی نے شاہ عزیز کے ملفوظات مطبوعہ میر ٹھ کو جعلی بتایا ہے (انفاس العارفین صفحہ آخر) ہماری ناقص رائے میں[2] مولوی سید احمد کی یہ رائے کلیتہً تو صحیح نہیں ہے، ملفوظات شاہ صاحب کے ہی ہیں مگر ان میں الحاق ضرور ہوا ہے اور بعض فحش اشعار اور فحش واقعات درج کر دیے گئے ہیں۔

(۳) تفسیر فتح العزیز کے متعلق بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ تفسیر مکمل ہے مقالات طریقت[3] میں اس سلسلے میں دو روایتیں تحریر کی گئی ہیں پہلی یہ ہے کہ مولوی یار محمد صاحب

[1] فضائل صحابہ و اہل بیت (مع مقدمہ و تفسیر محمد ایوب قادری) طبع لاہور۔ [2] ملفوظات پر ہمارا مضمون (شاہ ولی اللہ کے حالات شاہ عبدالعزیز کی زبانی) ملاحظہ ہو اقبال ریویو جنوری ۱۹۶۶ء کراچی۔
[3] مقالات طریقت ص ۳۰ و ص ۳۳

نے آپ کے درسِ قرآن کے کئی دوروں پر اپنے مصحف پر حواشی لکھ لیے تھے
وہ ان کے فرزند مولوی محمد اسحٰق صاحب کے پاس موجود ہیں، دوسری روایت یہ
"حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سلمہٗ تعالےٰ مولوی نور اللہ صاحب سے روایت
کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی
اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر وہ چھپی نہیں۔"

(۴) حال ہی میں کتب خانہ رام پور سے موسیقی پر ایک مخطوطہ برآمد ہوا ہے،
کتاب کا نام ہے "سانگیت شاستر" مصنف ہیں "شاہ عبدالعزیز دھلوی" مخطوطہ
کے کاتب اور واحد راوی ہیں ایک ہندو منشی کندن لال اشکی۔ جناب عضد الدین
خاں صاحب نے معارف اعظم گڈھ (جلد ۳ شمارہ ۹۶ ستمبر ۱۹۶۵ء) میں اس مخطوطہ
کا تعارف کرایا ہے اور اس مخطوطہ کی نسبت شاہ محدث کی طرف تسلیم کرلی ہے۔ مگر
ہماری عقیدت نے ابھی تک یہ انتساب گوارا نہیں کیا۔

شاہ عزیز کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین نے اردو، فارسی اور عربی میں متعدد
رسائل و کتب تالیف فرمائی، مگر ان میں سے متعدد ابھی تک مخطوط صورت میں برصغیر
کے صرف دو ایک کتاب خانوں میں پائے جاتے ہیں کئی رسائل و کتب کا نام کے
سوا کوئی نشان نہیں ملتا۔

تحریف کا نشانہ بھی شاہ صاحب کی تالیفات ہوئیں۔ شاہ صاحب کا اردو
ترجمۂ قرآن کئی بار شائع ہو چکا ہے، قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ہے۔ مگر عبدالرحیم ضیا کا بیان
ہے کہ :- ترجمہ قرآن تحت لفظی بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا دوسروں
نے تمام کرکے آپ کے نام سے شہرت دی[۱۹]۔ (۱۹ مقالات طریقت ص۱۱)

شاہ صاحب نے فارسی میں ایک رسالہ تنبیہ الغافلین کے نام سے لکھا تھا،
یہ نو مسلم منشی بینی نارائن جہاں لاہوری نے اس رسالے کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ سید
عبداللہ بن بہادر علی (صاحب مطبع احمدی ہوگلی) کا بیان ہے کہ یہ ترجمہ بے محاورہ تھا اور
ترجمہ آیات کلام اللہ بھی غلط تھا، لیکن خود سید عبداللہ نے جو ترجمہ ۱۸۳۰ء میں کیا تھا اس
کے لیے خود ان کا بیان ہے کہ اس میں آیات و احادیث و قصص کا اضافہ کیا ہے، اس
سے پہلے یہ رسالہ کسی صاحب نے اپنے نام سے شائع کر دیا تھا، لطف کی بات یہ
ہے کہ تنبیہ الغافلین کے تالیفِ شاہ رفیع الدین ہونے کا علم ہی دنیا کو صرف جہاں
کے حوالے سے ہے۔[۱]

شاہ ولی اللہ کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر کے ایک اردو رسالے
تحریر الصلوٰۃ کا مولوی سید عبدالحی نے ذکر کیا ہے[۲]۔ مگر اس رسالہ کا وجود تو درکنار
اس کا نام بھی مولوی عبدالحیؒ کے علاوہ کسی اور نے نہیں لیا۔

شاہ صاحب نے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ کیا تھا، اس کا سب سے پہلا ایڈیشن
سید عبداللہ نے مطبع احمدی ہوگلی سے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا مگر یہ ترجمہ "موضح القرآن"
کے نام سے اور اضافات کے ساتھ ۱۳۰۸ھ میں دھلی سے شائع کیا گیا، مشہور اہلِ
حدیث عالم میاں نذیر حسین کے داماد سید شاہ جہاں نے اس پر تقریظ لکھی تھی اور اس
کے ملنے کا پتہ بھی "مدرسہ میاں نذیر حسین" تھا، مولوی سید احمد ولی اللٰہی نے انفاس العارفین
کے صفحہ آخر پر جن جعلی کتابوں کی نشان دہی کی تھی، ان میں تحفۃ الموحدین، البلاغ المبین

---

۱ تنبیہ الغافلین کے سلسلے میں تمام تفصیل مولٰنا عبدالحلیم چشتی کے ایک محققانہ مقالہ سے ماخوذ ہے۔ بینات
رجب رمضان ۱۳۸۳ھ ۲ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند طبع بیروت ص۱۱۸

وغیرہ کے ساتھ "تفسیر موضح القرآن مطبوعہ خادم الاسلام دھلی منسوب بہ طرف مولنٰنا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم" بھی تھی۔

مجلہ نقوش لاہور (اپریل ۱۹۶۵ء) میں ایک احمدی قلم کار شیخ اسماعیل پانی پتی نے موضح القرآن کا مقدمہ شائع کیا تھا۔ یہ مقدمہ عام متداول مقدمے سے سراسر مختلف ہے، پانی پتی صاحب کا بیان ہے کہ یہ مقدمہ انھیں حکیم نورالدین بھیردی کے کتب خانے سے دستیاب ہوا ہے، یاد رکھیے کہ آں جہانی حکیم پہلے اہل حدیث تھا پھر احمدی اور خلیفۃ المسیح ہوگیا تھا، اللہ اللہ!

کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی!!

شاہ ولی اللہ کے ابنا ہی نہیں احفاد بھی تحریف و ترمیم اور غلط انتساب کا ہدف بنے۔ شاہ صاحب کے حفید شہیر، شاہ اسماعیل شہید کی طرف ایک کتاب تنویر العینین فی رفع الیدین منسوب ہے، مولوی کریم اللہ کا بیان ہے[1] کہ ایک رسالہ تنویر العینین بعضے آدمیوں نے ان کی شہادت کے بعد ان کا کرکے مشہور کیا۔

شاہ اسماعیل کی مشہور کتاب تقویت الایمان کے متعلق سید احمد شہید کے خلیفہ پیر مرتضےٰ خاں رام پوری نے دافع الفساد و نافع العباد میں لکھا ہے کہ اس کی تحریف کی گئی ہے۔[2]

شاہ صاحب رسالہ رد شرک کے متعلق محسن ترہتی نے لکھا ہے کہ تحریف کی گئی ہے۔[3]

شاہ صاحب کا رسالہ منصب امامت ناقص الآخر ہے، یہی حال ایضاح الحق الصریح

[1] تنبیہ الضالین ص۵ [2] مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک ص۹۶ و ۱۱۳
[3] الیانع الجنی ص۷۶

[...] حکام المیت والضریح کا ہے وہ بھی ناتمام ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحاق محدث دھلوی کی طرف [...]ابیں منسوب ہیں، مسائل اربعین اور مأۃ مسائل، ہم نے اپنی کتاب "حیات شاہ [...]سحق" میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں کی نسبت شاہ صاحب کی [...] صحیح نہیں ہے، شاہ صاحب کے ترجمۂ مشکوٰۃ (مظاہر حق) کے متعلق نواب [...]ب الدین خاں دھلوی نے لکھا ہے[1] کہ "۔۔۔۔۔۔ کاتبوں سے اس کی صحت [...] فرق آنے لگا تھا"

[1] مظاہر حق ص۳

شاہ ولی اللہ کے فارسی اشعار

فراغت یافتم از حج و عمرہ | چو احرام سرِ کوئے تو بستم
چو دیدم روئے زیبائے تو جاناں | ز تشویشِ وجودِ خویش رستم
بیا ساقی بدہ جام شرابے | کہ مخمورِ صبوحِ حق الستم!

مکتوبات مع مناقب ص۱۳۱

محبت نام جوشِ طبع و میلِ نفس گر باشد | سرِ اہلِ محبت در دو عالم گاو خر باشد
ز نازک طبع غیر از خود نمائی ہا نمی آید | درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد
بوسعت مشرباں رنگِ تعلق در نمی گیرد | اگر نقشے زنی بر روئے دریا بے اثر باشد[1]
صفائے طبع می خواہی ز صحبت دامن اندر کش | کہ آب دور از مردم ہمیشہ بے کدر باشد

مکتوبات ص۱۳۱

مزاجِ صاف طبعاں را بغربت در نمی سازد | نگہ در گرد آبِ صاف چوں یکجا وطن گیرد

(مکتوبات ص۱۳۱)

صفا با خبث باطن نیز گاہے جمع می گردد | بیدہ بالو عمر را چوں در دو نشیند تماشا کن
ہزرہ گردی رانع نورِ دل ست اے ہوشمند | سیل تا افشت یک جا باطنش صافی نشد

---

[1] یہ شعر ہمعات میں بھی ہے، ترجمہ اردو طبع لاہور ص۱۸۸

...اے دردمن ابر جمع اضداد توی نازم | نمک ریز دلِ مجروح من ہستی و مرہم ہم
...ن و جاں فدائے وضع شوخ شہر آشوبت | قیامت می نمائی و دمِ عیسیٰ و مرہم ہم
...ی اوّل توئی آخر توی ظاہر توی باطن | توی مقصودِ اہلِ دل توی مشتاق ہمدم ہم
...یک منبع درین جا مختلف فوارہ می جوشد | مزاجِ حرص قاروں زہدِ ابراہیم ادہم ہم
...ارے از زمیں خیزد بباد جود را میزد | گہے باراں ریزاں ست و گہے بر فشبنم ہم
...امی طرفہ نیرنگی، دریں کاشانہ سرادی | کہ عالم پایکوب از دستِ عشقت گشت آدم ہم

مکتوبات ص۱۴۱

رباعی

...طن نکنی مدرک خواہندہ دل ست | تا توسن تازندہ و بازندہ دل ست
...یم بتو رمزے گر بفہمی آں را | ایں گوہر تابندہ بخود زندہ دل ست

مکتوبات ص۱۴۵

ناگزیر توہم اے دل پذیرا | رو مگرداں بعد ازیں از ناگزیر
من ترا مشفق ترم از صد پدر | در من آویز و مرا محکم بگیر
غیر من گر با تو بالستہ بود | آں وبال ست و عذاب ست سعیر
جانِ من در ہجر یار خود بسوخت | من عذاب الہجر اجرنی یا مجیر!
بے قرارم روز و شب بے روئے یار | باز بنما روئے یارم یا قدیر!
اندرونم بے جمالش تار شد | کے شود یا رب بوصلش مستنیر
اے برادر بعد ازیں ہشیار باش | فرق می کن درمیان شیر و شیر

مکتوبات ص۱۴۷

غزل

نخستین بادہ کاندر جام کردند   مزاجش عکس آں گلفام کردند
ز دریائے قدم موجے برآمد   مرادر بحر امکاں نام کردند
ہویدا شد در امکاں صورت حق   باں صورت جہاں را رام کردند
ہمیں بالست تفصیلے ازاں رو   مکارم را بما اتمام کردند
شراب وحدت از خم خانۂ غیب   مرا صبح ازل در کام کردند
چو غلطیدم ز مستیہا بہر سو   حریفاں مستی از من وام کردند
حقیقت را کہ مستور از نظر بود   بما مشہور خاص و عام کردند
پس آں گہ موج دریا باز گردید   بما تمام فنا اکرام کردند
ایں! رمزے دقیقے با تو گویم   بخود آغاز و نیز انجام کردند

مکتوبات ص۱۶ ص۱۷ ______

دلے دارم ز خود خالی حبابش می تواں گفتن   درد کیفیتے جوش شرابش می تواں گفتن
وجود بے نمود معنی ما دیدنی دارد   دریں نیرنگہا بوئے گلابش می تواں گفتن
سویداء دل ما یافت اندر پیچ و تاب او   نقوش عالم آمد اکتابش می تواں گفتن
فرو پاشید از ہم کثرت موہوم چوں شبنم   ز فیض معنی ما آفتابش می تواں گفتن

مکتوبات ص۳۶ ______

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را   خرد شے در دل شبہائی کردم چہ می کردم
دل پر درد جاں افگار دیار تند خو دارم   جہاں را پر ز یا ربہائی کردم چہ می کردم
غم تحصیل و بار شغل و درد غزل می چینم   جنوں از ترک منصبہائی کردم چہ می کردم

کسے با گل ہمی سازد کسے با مل ہمی بازد   اگر من یاد آں لبہائی کردم چہ می کردم
پے تحقیق راز خسم مشربہا بر ملا دیدم   خروج از قید مشربہائی کردم چہ می کردم
حجاب وصل مطلوب ست دل بستن بمطلبہا   ایمن اگر ترک مطلبہائی کردم چہ می کردم

مکتوبات ص۳۲ ______

ساقی! کرمے کن کز ہوش خود افتم   من بار خودم از دوش خود افتم
ز من بنما خود را اے مست تاباں!   مفتوں شدہ بر خود مدہوش خود افتم
ش مے جوشاں کز خم بدر افتد   جوشے زدہ بر خود از جوش خود افتم
ہر دم موج شد مستی دیگر!   از فرط تمائل از آغوش خود افتم
ز تیز زبانی آزردہ دلم من .   خوش آں کہ ز بلنے خاموش خود افتم

(ایں غزل از مزاحفات بحر بسیط است مستفعلن فعلن چہار بار و آں در فارسی کم یافتہ" منہ قدس سرہ،

مکتوبات ص۲۲

بے محنت و رنجوری دوری کشم   نازنین وطنم سوئے وطن باز روم
بے باخس و خاشاک بود صحبت من   صدر بزم چمنم سوئے چمن باز روم
بے ہمدمی سنگ شود شیوۂ من   گوہرے از عدنم سوئے عدن باز روم
بے بستۂ زنجیر تعلق باشم   آہوئے از ختنم سوئے ختن باز روم
جاں می رسد از یاد کن در دو جہاں   شاہ ملک یمنم سوئے یمن باز روم

مکتوبات ص۱۱ ______

من نہ لانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام   عاشق شوریدہ ام یا عشق را دیوانہ ام
مسلک حیرتم جاں گو ہمت یا جہاں ہا   اصطلاح شوق لبیا ست من دیوانہ ام

میل ہر عنصر بود سوئے مقر اصلیش — جذبۂ اصل است سِرِ شورشِ مستانہ ام

شوق موسیٰ در ظہور آورد و نارِ طور را — در نہاد شمع آتش می زند پروانہ ام

باجمالِ ذاتیش[علہ] حسنِ دگر در کار شد — چشم او را سُرمہ ام یا زلف او را شانہ ام

غافل[ملہ] از خود ماند از صورت چو پُر شد آئینہ — تا ترا بشناختم جاناں ز خود بیگانہ ام

اے امین! بر مستیم نام تجدد تہمت است — در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام

ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص۱

در صحبت اہلِ دل رسیدیم بسے — بس در وزیدہ کناں زما ہر کسے یافت نفسے

از چشمۂ آب زندگانی ترسے — وز آتش وادی مقدس قبسے

ملفوظات ص۱۰

دور تشریف بردن والد ماجد و بہ گفتن صاحبزادہ و شیخ آدم بنوری و ناراضی شاں!

شخصے بجو رد گیری ما عاجزاں فتاد — زاں روکہ در طریقہ مخدوم آدمیم

گفتم کہ حرف راست بگویم زما مرنج — تو آدمی بنودی و ما آدمی شدیم

فقیر در بعض اوقات دو بیتے کہ گفتہ بود آں را تاثیرے دیدہ بودہ است رباعی

اے دوست! توئی دیدۂ بینائی من — ہم قوّتِ شنوائی و دانائی من!

عشقم توئی و ہم دلِ غم دیدۂ من — اندر دلِ غم دیدہ شکیبائی من

تفہیمات الٰہیہ جلد ثانی ص۸۹

علہ و ملہ یہ دونوں شعر ملفوظات میں نہیں، حیات ولی سے لئے گئے ہیں۔

تحریکِ ولی اللّٰہی

کیا وہ کامیاب رہی؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبت کی عظمت و جلالت میں کلام و گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن اگر عُلوِ مقام، قبولِ عام کو مستلزم نہیں ہے تو اس مسئلے میں اختلافِ آرار کی گنجائش ضرور ہے کہ

"شاہ صاحب کی تحریک کامیاب بھی رہی یا نہیں؟"

اس موضوع پر ہمارا حاصلِ فکر و مطالعہ استفادۃً پیشِ خدمت ہے۔ ماضی میں افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے اوّلین ذرائع بالعموم دو ہوتے تھے۔

اخلاف و تلامذہ

تصانیف و تالیف

مطلب یہ ہے کہ عہدِ ماضی میں کسی مفکر کے نظامِ فکر کی اشاعت اور ترویج

کی صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی تحریروں میں اپنے اندازِ فکر اور طرزِ تحقیق کا ابلاغ کرتا اور اپنے نتائج تحقیق پیش کر کے بساطِ حیات لپیٹ دیتا تھا۔ اس کے بعد اس کی تربیت کردہ جماعت (اخلاف و تلامذہ) آتی تھی، یہ لوگ اسی کے اندازِ فکر پر سوچتے، اسی کی زبان میں بات کرتے اور اسی کی تحقیقات کو اپنی تحریروں میں نشر کرتے تھے، اس کے اجمال میں تفصیل کا رنگ بھرتے، اس کے دلائلِ ضعیف کو قوی کرتے، اس کے دعاوی میں امثلہ و نظائر کی کمی ہوتی تو اسے دور کرتے، اس کی کسی عبارت میں خلا ہوتا تو اسے پُر کرتے، اس کے غیر مرتّب کو مرتّب کرتے اور اس طرح بالآخر ایک فرد ایک ادارہ، ایک شخص ایک جماعت اور ایک آواز ایک تحریک بن جاتی تھی۔

اور پھر اس تحریک کی کامیابی و ناکامی کے امکانات پیدا ہوتے تھے۔

اخلاف و تلامذہ

شاہ صاحب کے براہِ راست اخلاف و تلامذہ کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شاہ صاحب کا پورا پورا ہم نوا اور ہم زبان نہیں ہے، شاہ عبدالعزیز نہ کلامی خلافیات میں ان کے ہم نوا ہیں نہ فقہی خلافیات میں، ان کے تحفہ اثنا عشریہ کا رنگ ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین سے مختلف ہے، شاہ ولی اللہ سیدنا علیؓ کے انعقاد خلافت کے قائل نہیں ہیں، شاہ عبدالعزیز اس کے قائل ہیں[1]

شاہ ولی اللہ احناف کے اصول فقہ کو صحیح نہیں سمجھتے، شاہ عبدالعزیز نے اس کی

---

[1] شاہ اسماعیل نے بھی "منصب امامت" میں انعقاد خلافت سیدنا علیؓ کو محکم و مدلل کیا ہے۔

پر زور و مدلل تصویب و تائید کی ہے[5]، شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی اور شاگرد شاہ [اہل] اللہ شاہ صاحب کے برعکس "حنفی حنیف" تھے، انھوں نے فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا خلاصہ کیا، دوسری کتاب کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ کر کے اسے رائج کرنا چاہا[6] (تین) [...] تو یہ تشیع کا غلبہ تھا، قمر الدین منت جو شاگرد بھی تھے اور عزیز بھی شیعی ہو گئے تھے[7]۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے برملا شاہ صاحب سے اظہار اختلاف اور تنقید کی ہے۔ شاہ محمد عاشق کی تمام تصانیف نادر الوجود ہیں۔ اصل فن حدیث پر نہ شاہ محمد عاشق کی کوئی کتاب ہے نہ شاہ عبدالعزیز کی، حالانکہ حدیث شاہ صاحب کا خاص فن تھا، شاہ صاحب موطا کو رائج کرنا چاہتے تھے مگر ولی اللّٰہی مدارس ہی میں رائج نہ ہو سکی۔

شاہ صاحب کا ایک خاص اندازِ فکر اور مخصوص طرزِ بیان تھا، انھوں نے چند [نئی] اصطلاحات وضع کر کے اپنی "تالیفات" میں استعمال کی تھیں، چند نئے نظریات پیش کئے تھے مگر شاہ صاحب کے اخلاف اور تلامذہ نہ ان کے انداز پر سوچتے ہیں نہ [ا]ن کی زبان میں بات کرتے ہیں نہ ان کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ولی اللّٰہی مکتبِ فکر سے اپنی وابستگی، دلچسپی اتحاد و اتفاق کا کوئی نمونہ [پیش] نہیں کرتے۔

ہم نے اب تک گفتگو مدرسہ رحیمیہ تک محدود رکھی ہے کیونکہ شاہ صاحب [کے] افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کی اوّلین ذمہ داری اسی حلقے پر عائد ہوتی [ہے]۔ مگر جب یہی حلقہ خاموش اور کٹا کٹا سا نظر آئے تو بیرونِ حلقہ ان کی ترویج و

---

[5] رسالہ اصول فقہ حنفی" و رسالہ ماخذ ائمہ اربعہ" (مشمولہ فتاوی عزیزی جلد اوّل)

[6] مقدمہ دراسات اللبیب از مولینا محمد عبدالرشید نعمانی کراچی۔

[7] وصایاء اربعہ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری، [...]

واشاعت کی توقع بے جا ہی ٹھہرے گی مگر پھر بھی ہم اس حلقے سے باہر ——
معاصرین ومتاخرین کے حلقوں کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان حلقوں
نے شاہ صاحب سے خصوصی اعتنا کا معاملہ نہیں کیا۔

غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۷۸۶ء) نے معاصر ہونے کے باوجود شاہ صاحب
کا تذکرہ مآثر الکرام میں نہیں کیا، کئی قریب العہد تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب کا
تعارف شاہ عبدالعزیز کے واسطے سے کرایا ہے، سعادت یار خاں رنگین۔[1]

"شاہ عبدالعزیز کے والد"

مرزا علی لطف[2]

"والد ماجد ہیں یہ اس رونق بخش کشور قناعت کے
جس کا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے"

تذکرہ نگاروں کو چھوڑ کر علماء کی محفل میں چلیے۔ علماء جب کسی شخصیت سے
متاثر ہوتے ہیں تو اس کی کتابوں کی شرحیں لکھتے ہیں اس پر حواشی تحریر کرتے ہیں۔
اس کی کتابوں کی احادیث وروایات کی تخریج کرتے ہیں یا اپنی کتابوں میں اس عالم
کے نظریات سے کوئی معاملہ ابطال یا اثبات کا کرتے ہیں۔ اختلاف کی لے بڑھ
جائے تو بات تکفیر و تفسیق و تضلیل تک جا پہنچتی ہے۔ قبول واتفاق کی صورت میں
اس کے اقوال سے استناد واستدلال کرتے ہیں، اس کی کتابوں کو داخل نصاب درس
کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کے ساتھ اعتنا کی ان اشکال میں سے کوئی بھی شکل اختیار نہیں

---

[1] وصایائے اربعہ ص۱۰۲ [2] گلشن ہند، انجمن ترقی اردو ہند حیدرآباد دکن ۱۹۰۱ء

ی گئی، شاہ صاحب کی تالیفات کی طرف جب ان کے حلقے کے علما نے توجہ
نہیں کی تو بدیگراں چہ رسد دیوبند جیسے ولی اللہی مدرسے میں شاہ کی کوئی کتاب
اخل نصاب نہیں کی گئی تو دوسرے مدارس کا کیا تذکرہ؟ دیوبند میں شاہ صاحب کے
متعلق کیا رائے تھی اس کا اندازہ مولانا سندھی کے اس قول سے کیجئے کہ ان کے
دور تعلم میں یہ حالت تھی کہ مولانا محمود الحسن کو جب شاہ ولی اللہ یا شاہ عبدالعزیز
ی رائے کسی مسئلے میں بیان کرنی ہوتی تو وہ ان حضرات کا نام لینے کے بجائے فرماتے
محققین کی اس مسئلے میں یہ رائے ہے کیوں کہ

"حضرت جانتے تھے... کہ شاہ ولی اللہ اور شاہ
عبدالعزیز کی بات سننے کے لیے طلبہ تیار نہیں ہوں گے"[2]

تصانیف و تالیف

شاہ صاحب کی تالیفات کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنے
ی ہے کہ ان میں سے (۱) ایک تعداد طبع ہو چکی ہے (۲) ایک تعداد غیر مطبوعہ
تابوں کی ہے جو مخطوطات کی شکل میں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں (۳) ایک اور تعداد
ن کتابوں کی ہے جس کے صرف ناموں سے دنیا آشنا ہے، ان کے مخطوطات
ا کوئی سراغ — کم سے کم راقم الحروف کو نہ مل سکا۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تالیفات ابتدا ہی سے کم یاب

---

[1] اب چند سال سے الفوز الکبیر و حجۃ اللہ البالغہ شامل نصاب کی گئی ہیں۔
[2] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۹۱

ہیں، فتح الخبیر، حجۃ اللہ البالغہ، البدور البازغہ، ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین جب پہلی بار شائع ہوئیں تو ان کے ناشرین کو ان کے علی الترتیب ایک، چار، تین، تین اور ایک مخطوطے دست یاب ہوئے تھے، کم یابی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کم یابی سن ستاون کے ہنگامے سے قبل ہی شروع ہو گئی تھی، مذکورہ بالا کتابوں میں سے پہلی کتاب ۱۸۳۴ء میں ہوگلی سے شائع ہوئی تھی اور ناشر کو صرف ایک نسخہ ملا تھا جب کہ ناشر اسی حلقے سے وابستہ تھا۔ گویا سن ستاون کے ہنگامۂ رستاخیز سے ۲۳ سال قبل اور شاہ صاحب کی وفات کے ستر سال کے اندر اندر ان کی کتابوں کا قحط شروع ہو گیا تھا، زیادہ حیرت اس پر ہے کہ یہ قحط شاہ صاحب کے خاندان اور اصحاب سلسلہ ہی میں تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللّٰہی جو شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے انھوں نے مولوی سید عبدالحی (صاحب نزہۃ الخواطر) سے ہمعات بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ مولوی سید احمد کے خواہر زادے مولوی سید عبدالغنی نے جو خود کو "نواسہ و جانشین حضرت شاہ صاحب" لکھتے تھے جب تفہیمات الٰہیہ شائع کی تو اس کے آخر میں یہ اپیل بھی شائع کی تھی کہ جن حضرات کے پاس اس خاندان کے اکابر کے رسائل ہوں وہ ہمیں عاریتاً فراہم کریں کہ ہم انھیں طبع کرا سکیں۔

اب شاہ صاحب کے رسائل و کتب کی طباعت و اشاعت کا جائزہ لیجیے۔

ازالۃ الخفا پہلی بار ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں بریلی سے شائع ہوئی تھی ازالۃ الخفا کی وہ

عہ دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۸

اشاعت پہلی بھی اور آخری بھی، اصل فارسی[عہ] متن آج تک صرف ایک بار شائع ہوا ہے۔ اس واحد اشاعت کی تعداد بھی صرف دو سو تھی۔

البدور البازغہ صرف ایک بار، تفہیمات الٰہیہ کامل صرف ایک بار، مصفّیٰ صرف دو بار، مسوّیٰ صرف تین بار، یہ صرف طباعت کا ذکر تھا، اشاعت و فروخت کا حال یہ ہے کہ مسوّیٰ (طبع حجاز ۱۹۳۳ء) کا اشتہار آج تک "الولی" (حیدرآباد سندھ) میں شائع ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ۳۵/۴۰ سال گزرنے کے باوجود ان کتابوں کے نسخے ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب کے رسائل و کتب میں سے کچھ تو بالکل ناپید و نایاب ہیں، کچھ کے مخطوطات کہیں کہیں سننے میں آتے ہیں باقی جو طبع ہوئے ان کی اشاعت عام نہیں ہو سکی۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحب کے مخصوص افکار نظریات کی ترویج و اشاعت نہ ان کے اخلاف و تلامذہ کے ذریعہ ہو سکی نہ ان کی کتابوں کے ذریعہ۔

یہاں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور شاہ صاحب قبولِ عامِ خواص کیوں حاصل نہ کر سکے؟ ہماری ناقص رائے میں ان کے مسلک اور مشن کے عدم قبول و رواج و نفوذ کے اسباب تین قسم کے ہیں، وہ اسباب،

* جن کا تعلق بخت و اتّفاق سے ہے
* جن کا تعلق شاہ صاحب سے ہے

عہ ازالۃ الخفا کے اُردو ترجموں کی داستان یہ ہے کہ مکمل اُردو ترجمہ پہلی بار کراچی ۱۹ء میں شائع ہوا پھر کراچی ہی سے دوبارہ یہی ترجمہ ۱۹ء میں چھپا، ناکمل ترجمہ ایک لکھنؤ سے، دوسرا لاہور سے (۱۹۰۶ء میں) تیسرا دہلی سے شائع ہوا۔

* جن کا تعلق ہم سے ہے

آیئے، بترتیب ان اسباب کا جائزہ لیں۔

شاہ صاحب کے پانچ صاحب زادے تھے، ان میں سے سب سے بڑے شاہ محمدؐ تھے، شاہ محمدؐ اگرچہ فاضل تھے اور بقول صاحب نزہۃ الخواطر محدث تھے مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور افادۂ تدریس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، پھر ان پر جذب غالب تھا، اس لئے وہ خارج از بحث ہیں، باقی چار صاحب زادوں میں سے سب سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ تھے، جن کی عمر شاہ صاحب کی وفات کے وقت صرف ۱۶[عہ] سال تھی اور اگرچہ انھوں نے شاہ صاحب سے بھی تحصیل علوم کی تھی مگر تکمیل و فراغ کی منزل والد کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق، شیخ نوراللہ اور خواجہ محمد امین کی رہنمائی میں طے کی تھی، پھر اگرچہ وہ ذکاوت و فطانت کی وافر مقدار سے بہرہ ور تھے مگر بہر حال عمر کی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے جہاں باپ اپنے بیٹے کو اپنے اسرار و علوم منتقل کرتا ہے اور اپنے نظریات کو اس کے قلب میں راسخ اور دماغ میں مستحکم کرتا ہے، عمر کی ناپختگی کے علاوہ طالب العلمی کا عہد بھی ان کاموں کے لئے ناموزوں اور ناسازگار ہوتا ہے، فراغ کے بعد جب طالب علم کو قطع کی ہوئی منزلوں کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملتا ہے، اور حاصل کئے ہوئے ذخیرے کے جائزے کی مہلت ملتی ہے اور تدریس یا تالیف کی ضرورتوں کے پیش نظر معلومات کی ترتیب، مختلفات میں تطبیق، اپنے مسلک،

عہ یہ بھی یاد رکھیے کہ شاہ ولی اللہ وفات سے پہلے امراض و عوارض میں مبتلا اور پھلت میں مقیم رہے اور قبل وفات پھلت سے دہلی لائے گئے تھے۔

کی تعیین اور غیر نصابی کتب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے تو درحقیقت وہ منزل آتی ہے جسے قدیم درس گاہی زبان میں "حقیقی طلب علم" کی منزل کہا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ شاہ عبدالعزیزؒ کو نوعمری، والد کی مسلسل بیماری، طلب علم میں مصروفیت کی بنا پر اپنے والد کے مزاج سے تعارف اور ان کے منفردانہ افکار کے جذب و ہضم کا موقع نہیں ملا تھا۔ دوسرے تین بھائیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ وہ علی الترتیب ۱۲ – ۸ اور ۴ برس کے تھے حاصل یہ کہ شاہ صاحب کو اس کا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے صاحب زادوں کو اپنے انداز فکر کی تربیت دے سکتے۔

اب تلامذہ کو لیجئے، اولاً تو شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد پہلے ہی بہت مختصر ہے اور اس کمی کی وجہ شاہ عبدالعزیزؒ[عہ] کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ شاہ صاحب نے صرف جوانی میں تدریس کی طرف توجہ کی تھی اور اس کے بعد جب اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرلی جو مختلف فنون کے ماہر تھے تو مدرسہ ان کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لئے وقف ہو کر رہ گئے تھے، اسی بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ محدود تعداد ان سے اس عہد میں مستفید ہوئی تھی جب ان کے افکار میں مجتہدانہ رنگ، انقلابیت، انفرادیت اور پختگی نہیں آئی تھی، گویا یہ تلامذہ میاں ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم کے تلامذہ تھے جو اپنے دور کے ایک ممتاز محنت کش، ذہین و مستعد عالم تھے، مفکر اسلام، مجدد مائۃ اور مسوی، مصفی، حجۃ اور ازالہ کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلامذہ نہیں تھے۔

عہ ملفوظات عزیزی ص[illegible]

ثانیاً جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں چند تلامذہ شاہ صاحب کے مسلک سے منحرف تھے۔ شاہ اہل اللہ "حنفی حنیف" تھے، مخدوم معین تتوی تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے۔ قمرالدین منت نے مسلک تشیع اختیار کر ہی لیا تھا۔

ثالثاً شاہ صاحب کی وفات کے صرف دس سال کے بعد حلقۂ ولی اللہی کو ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے حلقے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا، ہوا یہ کہ ایک ہی سال، ١١٨٠ھ میں حلقہ کے ایک دو نہیں پانچ ارکین و اساطین "باجماعت" رحلت کر گئے۔

(١) شاہ اہل اللہ، برادر خورد اور شاگرد۔
(٢) شیخ نور اللہ بھلتی، رفیق درس، ماموں اور خسر
(٣) شاہ محمد عاشق، رفیق درس، شاگرد، دوست ممیرے بھائی، نسبتی بھائی اور خلیفہ۔
(٥) حاجی محمد سعید بریلوی، شاگرد۔

یہ تھے وہ حالات جن کا تعلق بخت و اتفاق سے تھا اور جن کی بنا پر مسلک شاہی کے متبعین و مؤیدین کا دائرہ وسیع نہ ہو سکا۔

فکر ولی اللہی کے عدم قبول کا وہ سبب بھی بہت اہم ہے جس کا تعلق خود شاہ صاحب سے ہے۔ اور اسی سبب کا تعلق ہم —— مخاطبین و قارئین سے بھی ہے۔

شاہ صاحب دراصل غیر معمولی انسان تھے، دل کے لحاظ سے بھی اور دماغ کے لحاظ سے بھی۔

ان کا تفکر حقیقت پسندانہ اور ابلاغ دیانت دارانہ تھا وہ کسی بھی مسئلے پر خواہ

[illegible] کا تعلق فقہ سے ہو یا عقائد و کلام سے تفسیر سے ہو یا تصوف سے، پہلے سے کوئی [illegible]ے قائم کر کے غور نہیں کیا کرتے تھے، پھر ان کے نتائجِ فکر جو کچھ ہوتے تھے ان کو جوں کا [illegible]ں بلا تردید قرطاس و سپرد قلم کر دیا کرتے تھے۔

ان کا اندازِ فکر "غیر جانب دارانہ اور غیر فرقہ وارانہ" تھا۔ وہ خاندانی طور پر فقہ، [illegible]م اور تصوف کے مکاتبِ فکر میں سے ایک مکتبِ فکر سے وابستہ تھے، لیکن فکر و [illegible]ق کے مرحلے میں وہ ہر مسئلے اور ہر جزیے میں اپنے مکتبِ فکر کی ہم نوائی اور تائید و انتصار [illegible]ے پابند ہو کر نہیں رہتے تھے۔

ان کا اندازِ فکر "غیر مقلدانہ" اور "مجتہدانہ" بھی تھا۔ وہ صرف نقل و اقوال اور جمع و ترتیب [illegible] کے قائل نہیں تھے وہ اپنے دماغ کو بھی زحمتِ تفکر دیتے رہنے کے عادی تھے۔

تاریخِ اسلام کے عمیق مطالعے، عالمِ اسلام کے عہدِ حال پر وسعتِ نظر، اسباب [illegible] امت کے مفصل جائزے، کثرتِ مطالعہ، وسعتِ نگاہ، صوفیانہ اور درد مندانہ [illegible] مزاج کی وجہ سے وہ خلافیات میں رفعِ نزاع اور دفعِ تعارض کے لیے کوشاں [illegible]ے تھے، اسبابِ اختلاف کا سراغ لگا کر وجوہ اشتراک معلوم کر لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ [illegible] و توافق ان کا محبوب مشغلہ تھا، اربابِ تسنن اور اصحابِ تشیع کے مختلف [illegible] یا [illegible] کے تعارضات یا صوفیا کے باہم متناقض نقطہائے نظر، وہ جہاں تک امکان [illegible] تطبیق کی کوشش کرتے تھے اور متحاربین کو راہِ اعتدال دکھاتے تھے۔

ادھر تو شاہ صاحب اور ان کے تفکر کی یہ شان اور ادھر ہمارا یہ حال کہ ہم عہدِ [illegible] کی تمام خصوصیات سے بہرہ ور، ہم نے دین و سیاست ہو یا علم و ادب زندگی کے [illegible] شعبے میں شطرنج کے سے کچھ خانے بنا لیے ہیں جو خطوط سے محدود ہیں۔ اب ہر شخص پر

ہمارے زعم میں واجب ہے کہ وہ فقہی کلامی، تاریخی، ادبی، سیاسی مکاتب میں سے کسی ایک مکتب سے کلیتہً اتفاق کرے یا کلیتہً اختلاف اور فرض ہے کہ وہ ان خانوں میں سے کسی ایک خانے کے وسط میں خطوط و حدود سے دامن بچاکر کھڑا ہو۔ اب اگر کوئی غریب اپنے دماغ سے سوچنے کا خوگر ہے۔ مسائل میں اس کی اپنی بھی رائے ہوتی ہے اور وہ تحقیق کے بغیر کوئی قول تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کسی ایک ہی گروہ سے عمومی اور دوامی وابستگی کو واجب اور فرض نہیں سمجھتا اور وہ ان خانوں کی "جغرافیائی حدود" کا شدت سے پابند نہیں ہے اور کسی مسئلے میں "خط کے اس پار" والوں سے بھی متفق ہو سکتا ہے تو وہ ان دونوں خانوں والوں کی نظر میں اجنبی ٹھہرتا ہے۔ اور "مشکوک" قرار پاتا ہے کہ ہر مسئلے میں جماعت سے متفق کیوں نہیں ہے؟ حلقے کا صدقی صد وفادار کیوں نہیں ہے؟ دوسری جماعت اور حلقے کو شر محض کیوں نہیں سمجھتا؟ "اغیار" کی آراء کے ساتھ ان کی نیات کو محل کلام کیوں نہیں سمجھتا؟ افکار کے ساتھ ساتھ کردار پر بھی نکتہ چینی اس کے نزدیک ناروا کیوں ہے؟ جزئیات میں اختلاف کو اہمیت کیوں نہیں دیتا؟ وجوہِ اشتراک کی تلاش میں کیوں سرگرداں رہتا ہے؟

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شاہ صاحب جیسا اعتدال پسند "تطبیق کوش" اور خود فکر عالم ہم جیسے "خانہ نشینوں" اور انتہا پسندوں میں کس طرح قبول حاصل کر سکتا تھا اور اس کی تحریک ہمارے معاشرے میں کس طرح رسوخ و رواج پا سکتی تھی؟

اہل سنت ان سے ناخوش ہیں کہ وہ امامیہ کی بے محابا تکفیر[عله] نہیں کرتے تھے اور تفضیل

عله شاہ عبدالعزیز نے بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص نے شاہ صاحب سے شیعوں کے کفر و ایمان کے متعلق دریافت کیا شاہ صاحب نے رسائل کے حسب منشا شیعوں کو کافر کہنے کے بجائے) اس مسئلے میں فقہا کا اختلاف بیان کرنا شروع کیا تو سائل غصہ ناک ہو کر یہ کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا کہ "مجھے تو یہ خود شیعہ معلوم ہوتا ہے"۔ ملفوظات عزیزی ص ۳۳ طبع میرٹھ ۱۳۱۴ھ

شیخین کے بجائے تفضیل علیؓ علی الشیخین کی طرف میلان بتلاتے تھے مگر امامیہ نے ان سے طرفہ معاملہ کیا، سودا نے ان کا قصیدہ ہجویہ لکھا، صاحب گلشن ہند نے ان پر "ابطال شہادۃ حسنین" کی تہمت تراشی۔

شاہ صاحب نے وحدت وجود و وحدت شہود میں تطبیق فرمائی تو وجودی خوش ہوئے نہ شہودی، مرزا مظہر جان جاناں نے خود بھی ناپسندیدگی ظاہر فرمائی اور کلمۃ الحقؒ بھی لکھوایا۔

فقہی مسائل میں اعتدال و توسط اختیار کرنے کے جرم میں احناف نے ان سے برأت کی ضرورت محسوس کی، مگر اہل حدیث نے ان کے افکار میں خامی محسوس کر کے خود رسائل تصنیف کئے اور ان کے نام سے منسوب کر دیئے اپنی باتیں ان کی زبان سے کہلوائیں اور احناف سے ان کو مزید بدظن اور دور تر کر دیا۔

شاہ ولی اللہ کا
مدرسۂ رحیمیہ

شاہ عبدالرحیم (ف ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء) کا مدرسہ کوئی عام اور معمولی درسگاہ نہیں تھا۔ مختلف اعتبارات سے اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اس کے صدر نشینوں، معلّمین، مستندین کی عظمت مقام نے مسلسل پونے سو سال تک اس درس گاہ کو برّ صغیر کی ایک ممتاز ترین درس گاہ بنائے رکھا اور جب تسلسل حوادث اس چراغ کو بجھا دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف برّ صغیر کے گوشے گوشے بلکہ بیرونِ برّ بھی بہت سے مقامات پر اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے والے چراغ روشن و فروزاں ہو چکے تھے اور بحمد اللہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، یا یوں کہیے کہ صرصر انقلاب نے اس مرکزی درس گاہ کی خدمات کا سلسلہ اگرچہ منقطع کر دیا، مگر ملک و بیرونِ ملک اس کی صدہا شاخیں آج تک قائم و باقی اور سرگرم خدمت ہیں۔

یہ مدرسہ صرف ایک درس گاہ نہیں تھا، بلکہ برّ صغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی

ادارہ تھا، اسے ایک خانقاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی، یہاں کردار بنائے جاتے تھے، یہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی، اسے ایک اکادمی کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس کے سربراہوں اور اساطین کے قلم اور ذہن تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے، اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ یہاں وقت کے مغل فرماں رواؤں نے نیاز مندانہ اور عاجزانہ حاضری دی ہے، پانی پت کا تاریخی معرکہ کارزار اسی مدرسہ کے ایک رکن رکین کا برپا کیا ہوا تھا، سرحد و پنجاب کے میدانوں میں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے جن سرفروشوں کی محاذ آرائی ہوئی وہ اسی مدرسے، اسی خانقاہ سے درس جہاد لے کر نکلے تھے، جنوا اترا ...ان کی قبروں میں اسی دبستانِ فکر و عمل کے مستفیدین و متعلّمین محوِ خواب راحت ہیں، رحمہم اللہ علیہم۔

اسی مدرسے، خانقاہ، اکادمی اور مرکز ملّی و دینی و سیاسی کی تاریخ پیش خدمت ہے۔

اس مدرسہ کو اب عموماً مدرسۂ رحیمیہ لکھا اور کہا جانے لگا ہے یہ نام ابتداءً مولوی سید احمد ولی اللہی نے اپنی ایک تحریر میں استعمال کیا تھا، ان کی تقلید میں مولوی رحیم بخش نے پھر مولوی بشیر الدین دہلوی نے استعمال کیا اور غلط نہیں کیا مگر واقعہ یہی ہے کہ مولوی سید احمد نے پہلے پہل اس مدرسہ کو مدرسہ رحیمیہ کے نام سے یاد کیا تھا، شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، ان کے فرزند گرامی، تلامذہ و خلفا میں سے کسی کی تحریر میں یہ نام

۱؎ خاتمہ تاویل الاحادیث ص۸۸ و حیات ولی ص۳۲۳ و تفہیمات [illegible] ذیل حصہ دوم ص۹۵۔

۲؎ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز میں شاہ غلام علی اور شاہ عزیز کی جو مراسلت درج ہے اس میں دونوں نے صرف مدرسہ [illegible] لفظ لکھا ہے۔ شاہ غلام علی نے "در مدرسہ فقیراں" اور شاہ عبدالعزیز نے "در این مدرسہ" لکھا ہے۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں بھی ایک جگہ مولف نے لکھا ہے "زمانہ رفتہ بمدرسہ آمدند" [illegible] شاہ ولی اللہ [illegible] [illegible] لکھا ہے۔ ص۱۹۔

ہماری نظر سے نہیں گزرا، اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس مدرسے کو یہ نام اس کے ختم ہونے کے بعد دیا گیا ہے۔

بہرحال اس مدرسے کے بانی شاہ عبدالرحیم تھے، مدرسہ کے آغاز کے صحیح عہد کا تعین مشکل ہے، اندازہ ہے کہ ۱۱ویں ہجری / سترھویں عیسوی کے ربع آخر میں انھوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عبدالرحیم کی حیات میں مدرسہ نام صرف ان کی درسگاہ کا ہوگا۔ ہم شاہ عبدالرحیم کے علاوہ اس دور کے کسی معلم سے لاعلم ہیں، اس دور کے طلبہ کی تعداد زیادہ نہیں ہے، اس دور کے سب سے نمایاں طالب العلم تو شاہ ولی اللہ ہی ہیں، دوسرا نام شیخ بدر الحق پھلتی کا ہے جن کو والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۲ھ شاہ ولی اللہ ہی نے سند عطا کی تھی۔[عہ]

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں [۲]

"مدرسہ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالرحیم نے اپنے مکان مہندیوں میں عہد عالم گیر میں قائم کیا تھا۔"

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :[۳]

"شیخ (عبدالرحیم) صاحب نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسہ رحیمیہ رکھا۔"

مدرسہ کا اصل اور روشن دور، شاہ ولی اللہ کا دور ہے، شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا، والد کی وفات کے بعد زیادہ احساس ذمہ داری

---

[۱] تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص۲۳۵ - [۲] حیات ولی (طبع اول) ص۲۶۳ [۳] ایضاً ص۲۲۹

[عہ] بہت سے لوگ کوئی وجہ اور سبیل نہ ہونے کی بنا پر تذکروں میں نہیں آیا کرتے، مدرسہ کے بھی جانے کتنے طلبہ کے نام ایسے ہی ضبط ہونے سے رہ گئے۔ مثلاً خود شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بخاری بقراۃ بعض اصحابؒ پڑھی تھی، (الجزء ص۱۹۳)

زیادہ انہماک کے ساتھ تدریس میں مشغول ہوگئے،

فرماتے ہیں [۱]

بعد از وفات ایشاں دوازدہ سال کم و بیش بدرس کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود۔	والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات و معقولات کی کتابوں کے درس کا شغل رہا۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں [۲]

"(شاہ صاحب) پورے بارہ سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔"

مولوی سید احمد لکھتے ہیں :[۳]

"بعدہ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبانِ ہدایت کو سیدھے رستے لگانا شروع کیا، کتب دینیہ و عقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جوق در جوق لوگ آنے شروع ہوئے سینکڑوں طالب علم مستفیض ہونے لگے۔"

شاہ ولی اللہ نے مسندِ درس پر متمکن ہونے کے بعد نصاب تعلیم میں بھی ترمیم کی اور درس قرآن کریم کو جزو نصاب قرار دیا اور شاہ محمد عاشق کو ترجمۂ قرآن پڑھانا شروع کیا بعد میں اس ترجمۂ قرآن کو قلم بند کرنے کا خیال ہوا اور ایک حصہ سفر حج سے پہلے اور باقی حصہ سفر حج کے بعد ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا، اور ۱۱۵۶ھ میں خواجہ محمد امین نے اس ترجمہ کو رواج دیا۔[۴]

---

[۱] الجزء اللطیف (مع انفاس العارفین) ص۱۹۵ طبع احمدی دہلی [۲] حیات ولی ص۲۴۰

[۳] خاتمہ تاویل الاحادیث ص۵۸ [۴] مقدمہ فتح الرحمٰن

رواج سے مراد ہمارے خیال میں نصابِ تعلیم کا لازمی جزء بنا لینا ہے۔

اس دَور کے کسی دوسرے معلّمِ مدرسہ کا نام ہمارے علم میں نہیں ہے لیکن مؤرّخین نے طلبہ کی جس کثرت کا ذکر کیا ہے اس کے پیشِ نظر ہمارے خیال میں شاہ صاحب کے دو ایک معاون ضرور ہوں گے۔

اس دَور کے تلامذہ میں شاہ محمدؒ عاشق، شاہ نور اللہ بڈھانوی، شاہ اہل اللہ، خواجہ محمد امین کشمیری کے نام محفوظ ہیں۔

۱۲ سال تک اس طرح دادِ تدریس دینے کے بعد شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ/۳۱-۱۷ء میں حج کو تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس تشریف لائے اور ہندیوں کے مدرسہ میں قال اللہ و قال الرسول کی محفل پھر گرم ہو گئی، اس سفر میں حج و زیارت کے ساتھ آپ نے محدّثین عہد سے بھرپور استفادہ کیا، فکر و نظر کی نئی راہیں وا ہوئیں اور کتب و مصنّفین کے ایک نئے حلقے سے تعارف ہوا، آپ کے چند منتہی تلامذہ، شاہ محمدؒ عاشق، اخون محمدؒ سعید وغیرہ بھی آپ کے نہ صرف شریکِ سفرِ حج تھے بلکہ شیوخِ حجاز سے استفادہ و تلمذ میں بھی رفیق تھے، اس "سر و ساماں" کے ساتھ مراجعت وطن کے بعد آپ نے مدرسہ کے جس نئے دَور کا آغاز کیا اس کا تذکرہ مولوی سیّد احمد کی زبانی سنیے:-[علہ]

(آپؒ) دِلّی میں واپس تشریف لائے اور اپنے قدیمی مکان میں اقامت کی، مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ڈال گئے تھے رونق دی، حدیث و تفسیر کا درس دینا شروع کیا تو گویا شیخ عبدالحق محدّث دھلوی علیہ الرحمۃ کے بعد اس زمانے میں آپ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا،

علہ خاتمۂ تاویل الاحادیث۔

اطرافِ ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی طالب علموں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے، پرانی دلّی دار الحدیث بن گئی، حقیقت میں جناب حضرت شاہ ولی اللہ کا درس گاہ اس وقت علوم حدیث و تفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھا۔"

والد کی وفات سے سفرِ حج تک بارہ سال جم کر پڑھانے کے نتیجے میں آپ کو اپنے فارغ التحصیل تلامذہ کی ایک ایسی جماعت بھی مل گئی تھی جو تدریس میں ان کی رفیق و معاون ہوئی، ان معاونین میں سے شاہ محمدؒ عاشق اور اخون محمدؒ سعید کے نام ہم پہلے لے چکے ہیں، تیسرے خواجہ محمد امین ولی اللّٰہی تھے جو شاہ عبدالعزیز کے بھی استاد تھے، چوتھا نام ہمارے خیال میں شاہ اہل اللہ کا ہے، جو شاہ ولی اللہ سے ۴ سال چھوٹے تھے اور جنھیں سفرِ حج پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب اعطاءِ خرقہ اجازتِ بیعت و ارشاد اور دستارِ فضیلت سے سرفراز فرماتے گئے تھے[عہ]

شاہ صاحب نے سفرِ حرمین سے مراجعت کے بعد تجدیدِ و احیاءِ اور ملّت کی جامع و ہشت پہلو اصلاح کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کا تقاضا تھا اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کا صرف بڑی احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ فرمائیں اور کسی ایسے مشغلے میں آپ صرفِ اوقات و استعداد نہ فرماویں جس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو، چنانچہ تدریس اور تحریر میں سے آپ نے تحریر کو اس کی زمانی و مکانی افادیت کے پیشِ نظر ترجیح دی اور اپنے بیشتر اوقات غور و فکر اور نتائجِ غور و فکر کو قلم بند کرنے کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ فرمایا، مگر اس سے پہلے تدریس کا فرض ادا کرنے کے لئے ایک جماعت

عہ خاتمہ تکملہ سیری از مولوی سید احمد، مطبع احمدی دھلی۔

معلّمین تربیت دینے کا عزم کیا، اپنے ۱۲/۱۵ سالہ عہد تدریس میں اُنھوں نے متعدد علماء پیدا کر دیے تھے، ان کی تدریس کی تربیت بھی ہوگئی تھی، ان کے فنون کا تخصّص بھی نکھر چکا تھا۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ شاہ صاحب نگرانی و سرپرستی تک خود کو محدود کر لیں اور تدریس سے دست کش ہو کر خود کو فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیں۔ شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کی اس منصوبہ بندی اور تقسیم کار کا ذکر اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرمایا ہے، [1]

حضرت والد ماجد از ہر فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می سپردند بعد مراقبہ ہرچہ بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم کم می شدند۔

حضرت والد ماجد نے ہر فن کے لئے ایک شاگرد کو تیار کیا تھا (متخصص بنایا تھا) اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے متخصص کے سپرد فرماتے تھے اور خود ذکر و نظر اور تحریر میں مشغول رہتے تھے فکر و نظر کے جو نتائج ہوتے تھے ان کو قلم بند فرما لیتے تھے، مریض بھی کم ہی ہوتے تھے،

غالباً اسی تقسیم کار اور ترک مشغلۂ تدریس کا ہی نتیجہ ہے[2] کہ ہم شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد حیرت انگیز طور پر کم پاتے ہیں اور مختلف و متعدد مآخذ سے تلاش بسیار کے بعد ہم ۳۵ تلامذہ کا شمار کر سکے ہیں (جن کی فہرست مع حوالۂ مآخذ ایک مستقل مضمون میں درج کی جا رہی ہے)۔

[1] ملفوظات ص۸۲، [2] شاہ صاحب کے تلامذہ کی قلّتِ تعداد کا صرف یہ ایک سبب ہی نہیں ہے۔ اور بھی اسباب ہیں، اولاً تو شاہ صاحب دہلی میں کم ہی رہے مؤلف الروضۃ القیومیہ ان کے عہدِ شباب میں لکھا ہے کہ آج کل پھلت میں رہتے ہیں" وفات سے قبل بھی پھلت ہی میں جا رہے تھے۔

ان ہی تلامذہ میں سے شاہ صاحب نے کچھ حضرات کو معلّم بنایا ہوگا!

شاہ عبدالرحیم کے زمانے سے یہ مدرسہ مہندیان میں قائم تھا، شاہ ولی اللہ کے سفر حج سے آنے کے بعد بھی وہیں رہا اور پھر شاہ جہاں آباد[1] منتقل ہوگیا۔ مولوی سیّد احمد لکھتے ہیں، [2]

"روشن اختر محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ تھا، اس نے چاہا کہ شاہ صاحب کے دم سے شاہ جہاں آباد کو عزّت ہوئی تو کیا کہنا ہے، لہٰذا مولٰنا کو شاہ جہاں آباد میں بلایا اور ایک عالی شان مکان رہنے کے لئے دیا۔ جس کا تفصیلی حال ہم اپنی کتاب یادگار دہلی میں لکھ چکے ہیں، شاہ صاحب شاہ جہاں آباد تشریف لائے اور مع قبائل رہنے لگے"

یہ مکان اس محلّے میں تھا جس کو آج کل "کلاں محل" کہا جاتا ہے، اس مکان کا وہ حصّہ جو شاہ صاحب کے خاندان کی سکونت کے لئے مخصوص تھا "زنانہ" کہلاتا تھا اور وہ بیرونی حصّہ جس میں درس گاہ تھی "مدرسہ" کہلاتا تھا، یہ عمارت جو بقول بشیرالدین "نہایت عالی شان اور خوبصورت تھی، غدر تک صحیح حالت میں تھی۔

غدر میں مکانات لوٹ لئے گئے، گرا دیئے گئے، کڑی تختہ تک لوگ اٹھا لے گئے خانۂ خالی را دیو می گیرد — ایک شریف گردی تھی کہ الٰہی توبہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس جس کا قابو چلا وہ قابض ہوگیا، اب متفرق مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلّہ شاہ عبدالعزیز "مدرسہ" کے نام سے

[1] گزشتہ صدی تک ہندیوں کو پرانی دلّی اور شاہ جہاں آباد یعنی آج کی پرانی دلّی کو نئی دلّی کہتے تھے — ۱۹۱۲ء میں جب انگریزوں کی نئی دلّی آباد ہوئی شاہ جہاں کی نئی دلّی پرانی ہوگئی، [2] خاتمہ تاریخ الاحادیث ص۸۸

آج تک پکارا جاتا ہے۔" [1]

مولوی سید احمد نے مزید تفصیل سے بتایا ہے کہ "مدرسہ... تخمیناً چالیس سال سے غیر آباد ہے، اگرچہ اولاد مولٰنا شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم سے چند اشخاص... اسی مدرسہ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے... اسی اثنا میں مکان مدرسہ بھی ایامِ غدر میں منہدم ہو گیا۔"

مدرسہ کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب مدرسہ کا اہتمام و صدارت کا بار شاہ عبدالعزیز جیسے جوان پختہ کار نے اٹھایا۔

شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت (۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیز صرف ایک سولہ سالہ محنتی طالب علم تھے، ان کے باقی تین حقیقی بھائی بترتیب ۱۲ — ۸ — ۴ سال کے تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد ماجد کے تلامذہ و خلفاء سے تعلّم کے آخری مراحل طے کئے اور طریقۂ ولی اللّٰہی کے سجادہ خلافت اور مدرسہ ولی اللّٰہی کی مسندِ صدارت پر متمکن ہو گئے۔ اس وقت ان کے معاونین شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ تھے [2] ۴ سال بعد ہی ۱۱۷۹ھ میں ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین تعلّم سے فارغ ہوتے ہی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور یوں طریقہ اور مدرسہ کو ایک اور جواں سال جواں ہمت رکن حاصل ہو گیا پھر چند سال بعد شاہ عبدالقادر نے مدرسین کی فہرست میں ایک اہم اضافہ کیا، کچھ عرصہ کے بعد ان چاروں بھائیوں کے اخلاف شاہ اسحٰق، شاہ یعقوب، شاہ اسماعیل، شاہ مخصوص اللہ شاہ محمد موسیٰ اور شاہ عزیز کے بعض تلامذہ مثلاً مولوی رشید الدین نے مدرسہ کے ایک ایک گوشے کو آباد کر کے تدریس کے

---

[1] واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ۱۴۳/۱۴۴ [2] خاتمہ فیوض الحرمین ص ۱۰۷

جوہر دکھائے اور طالبانِ علومِ دین کی تشنگی کو رفع کیا۔

مدرسہ کا یہ دور اپنے ماقبل و مابعد کے ادوار سے ہر اعتبار اور ہر پہلو سے ایک تابناک و روشن دور تھا، شاہ ولی اللہ نے درسِ قرآن کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس کے قبولِ عام کا کوئی تاریخی ثبوت ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر شاہ عبدالعزیز نے درسِ قرآن کا سلسلہ کچھ ایسے دل نشین و مؤثر اور سادہ و قابلِ فہم انداز سے چھیڑا کہ وہ طلبہ سے زیادہ عوام کی دلچسپی کی چیز بن گیا اور مدرسہ کے ایک سبق کے بجائے مجلس کا موضوع ہو گیا، شاہ ولی اللہ کے دور میں مدرسہ سے فتاوی کے اجراء کی مثالیں بہت کم ہیں مگر شاہ عبدالعزیز کے دور میں دہلی و بیرونِ دہلی کے زبانی و تحریری سوالات کا ایک تسلسل نظر آتا ہے اور فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کے ضخیم مجلدات شاہ صاحب کی طرف ملک کے مسلمانوں کے رجوع کا پتہ دیتے ہیں، مدرسین کی تعداد بھی اس دور میں زیادہ رہی، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ، شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، مولوی عبدالحی بڈھانوی، شاہ محمد اسحٰق، شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد اسمٰعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں وغیرہ وہ یادگار مدرسین ہیں، جو مدرسہ کے اس ۶۰ سالہ (۱۷۶۲ء — ۱۸۲۳ء) دورِ زریں میں مختلف اوقات میں سرگرم افادہ و درس رہے۔

اس دور کے مستفیدین و تلامذۂ مدرسہ کی تعداد، ناقابلِ شمار ہے جو ہزاروں حسبہ اوراقِ تاریخ میں جگہ پانے سے محروم رہ گئے، ان کو چھوڑ کر اگر صرف انہی حضرات کو شمار کیا جائے جن کے نام اور کام کو تاریخ کے حافظے نے محفوظ رکھا ہے تو بھی یہ تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔

شاہ عزیز جب ریح البواسیر کے عوارض کا شکار اور بصیر ہو گئے تو مدرسہ کی صدارت سے شاہ رفیع الدین عہدہ برآ ہوئے اور جب ۱۸۱۷ء میں وہ رحلت فرما گئے تو شاہ اسحٰق کی نوجوانی نے حوادث کی دعوت مبارزت کو لبیک کہا اور شاہ عزیز کی نگرانی کے سائے میں مدرسہ کی خدمتِ اہتمام انجام دی اور ۱۸۲۳ء کے بعد تو وہ تمام شعبوں میں نانا کے جانشین ثابت ہوئے۔

مدرسہ اس دور میں بھی، اسی جگہ (کلاں محل) رہا، البتہ ایک مدرس (شاہ عبدالقادر) نے اکبرآبادی مسجد کے حجرہ میں اقامت اختیار کرلی تھی، اس لئے طلبہ ان سے متعلق اسباق کے لئے اکبرآبادی مسجد میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مدرسہ کا تیسرا دور، متاخرین خاندان کا دور ہے، اس دور میں مدرسہ کی صدارت شاہ محمد اسحٰق سے متعلق رہی، اس لئے کہ وہی شاہ عبدالعزیز کے نواسہ ہونے کے علاوہ مسلّم جانشین اور خلیفہ بھی تھے، اس دور کے مدرسین، شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشیدالدین خاں وغیرہ تھے، ولی اللّٰہیوں کی یہ نژاد نو ہر نوع کے دینی و عقلی علوم کے متخصصین کی ایک باوقار جماعت تھی، اطراف و اکناف علم کے طلبہ کا ہجوم اور پڑھانے والوں میں شفقت و رافت، محنت و جفاکشی کی فراوانی، مدرسہ آباد و پُر رونق، دُور دُور مشہور و نیک نام نہ ہوتا تو کیوں نہ ہوتا! صدر المدرسین شاہ محمد اسحٰق کا جو نظام الاوقات مورخین نے بیان کیا ہے اس سے مدرسہ کے رنگ کا اندازہ کر سکتے ہیں، لکھا ہے کہ شاہ اسحٰق نماز صبح کے فوراً بعد گھر میں لڑکیوں کو پڑھاتے پھر مدرسہ میں آجاتے اور دوپہر تک مصروف درس رہتے، دوپہر کے کھانے اور قیلولے کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور پھر درس کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو نماز عصر کے علاوہ نماز مغرب تک جاری

رہتا، نماز مغرب کے بعد اندرونِ خانہ تشریف لے جاتے مگر جلد واپس آجاتے اور نماز عشا تک درس دیتے رہتے۔

شاہ ولی اللہ کے دور سے درس قرآن (وعظ) کا سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ اس دور میں بھی اس شان سے جاری رہا، سرسید کا بیان ہے کہ [1]

> میں شاہ اسحٰق کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا، باہر مردوں کا ہجوم ہے زنانے میں عورتیں جمع ہیں نہ ڈولیوں کا شمار ہوتا نہ پالکیوں کا، شاہی محلات کی بیگمات تک آتی تھیں امرا کے ہاں سے کھانے کی دیگیں پک کر آتیں جو طلبہ اور عوام میں تقسیم ہو جاتیں بخود شاہ صاحب معمولی چپاتی اور شوربہ گاڑھے کے دسترخوان پر رکھ کر کھاتے۔

مدرسہ کے نصاب تعلیم میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، یہاں ہم طوالت کے خوف سے ان سے صرف نظر کرتے ہیں، یوں بھی "حیات شاہ اسحٰق" میں اس موضوع پر تفصیل لکھ چکے ہیں۔

اس دور میں ایک اہم تغیر یہ ہوا کہ مقامات درس تقسیم ہو گئے، اصل اور قدیم مدرسہ (واقع کلاں محل جو اُس زمانے میں جیسا کہ مولوی بشیرالدین وغیرہ نے لکھا ہے "مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کہلاتا تھا، ایک بڑی حویلی کا ایک حصہ تھا اور دوسرا حصہ زنانہ کہلاتا تھا اور ورثاء شاہ عبدالرحیم و شاہ ولی اللہ کی سکونت گاہ تھا، شاہ عزیز کے نواسے شاہ اسحٰق و شاہ یعقوب بھی اپنی والدہ کی حیات میں یہیں سکونت پذیر تھے، شاہ اسحٰق

---

[1] تراجم علماء حدیث ص ۱۱۱

کی والدہ کا وصال چونکہ اپنے والد (شاہ عزیز) کی حیات ہی میں ہوگیا تھا، اس لئے شاہ عزیز نے اپنے ان دونوں نواسوں کی سکونت کے لیئے ایک قطعۂ زمین الگ خرید کر اس پر وسیع عمارت تعمیر کرادی، یہ دونوں بھائی اسی میں رہتے اور اسی میں درس دیا کرتے تھے. اس لئے یہ عمارت "مدرسہ شاہ اسحٰق" کہلانے لگی۔ اور شاہ اسحٰق ہی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے صدر مدرس اور نگراں تھے، اس لئے اس واقعہ کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ مدرسہ قدیم کا مقام تبدیل ہوگیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں مقاماتِ درس تقسیم ہوگئے، کیونکہ باقی اساتذہ (شاہ مخصوص اللہ اور شاہ موسیٰ وغیرہ) قدیم مدرسہ ہی میں پڑھاتے رہے تھے، جسے مدرسہ اسحاق کی تعمیر کے بعد "مدرسہ کہنہ" بھی کہنے لگے تھے۔

مولوی بشیر الدین واقعات دارالحکومت دھلی میں "مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کے عنوان سے، مدرسہ رحیمیہ یا مدرسہ کہنہ کا حال جدا تحریر کرنے کے بعد "مدرسہ مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب" کا عنوان قائم کرکے اس مدرسہ جدید کے متعلق لکھتے ہیں۔

جس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب کی دختر نیک اختر یعنی شاہ محمد اسحٰق کی والدہ کا انتقال ہوا، حضرت کو خیال ہوا بھتیجوں کے سامنے نواسے وارث نہ ہوں گے، اس لئے مولانا شاہ اسحٰق اور مولانا یعقوب دونوں بھائیوں کے لئے قطعۂ زمین علیحدہ خرید کر اس میں عمدہ پختہ مکانات بنا دیئے اور انہی کے نام کردیئے، چنانچہ مولانا صاحب چند سال ان مکانوں میں رہے اس کے بعد یک بیک خانۂ کعبہ کا شوق پیدا ہوا، حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر ۱۲۵۶ھ میں مع اہل و عیال کے ہجرت فرما گئے،

اب مدرسہ میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں، چوہان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں، ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے، اب چوں کہ یہ کل جائیداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لئے اس گلی پر "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس" کا تختہ لگا دیا گیا ہے "

واقعات دارالحکومت دھلی ص۱۹۷ حصہ دوم۔

شاہ محمد اسحٰق کی ہجرت حرم (ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ) پر اس مدرسہ کی ۱½ سو سالہ [illegible]رخ کا اختتام ہوگیا، کیوں کہ شاہ مخصوص اللہ تو پہلے ہی تدریس سے دست کش اور [illegible]نشین ہوگئے تھے۔ اور شاہ محمد موسیٰ نے شاہ محمد اسحٰق کی ہجرت کے صرف ۹ ماہ بعد [illegible]ب ۱۲۵۹ھ میں وصال فرمایا۔

مدرسہ کا چوتھا دور ۱۳۰۸ھ میں شروع ہوا اور بہت جلد ختم بھی ہوگیا، یہ دور تجدید [illegible]بنائے مدرسہ کی ایک نیک دلانہ خواہش کا مرجوش تھا، اور صرف برائے نام کامیابی پر [illegible] ہوکر بہت جلد ختم ہوگیا۔

تھی وہ اِک درماندہ رہ رو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سید ناصر الدین کے پوتے مولوی سید احمد نے

[illegible] سرسید احمد خان نے اپنی کتاب آثار الصنادید تالیف ۱۲۶۳ھ/۴۶-۱۸۴۷ء) میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ ہوا مرشد [illegible] ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہوگئے ہیں۔ ایک عرصہ کا مطلب صرف ۵ سال بھی لیں تب بھی ۱۲۵۸ھ [illegible] گوشہ نشین ہوگئے ہوں گے۔

بڑی بے سروسامانی کی حالت میں صرف ولولوں اور حوصلوں کے سہارے پر اپنے آبائی مدرسہ کی تجدید کا عزم کیا تھا اور سروسامان سے محرومی، ذاتی اثرات کے فقدان، ابناء زمانہ کے عدم تعاون اور حالات کی ناسازگاری کے ہاتھوں شاید مدرسہ کی تجدید کے اعلانات سے بات آگے نہیں بڑھ سکی مولوی سیّد احمد نے اپنے اسلاف کے رسائل وکتب کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور مطبع (دوکان اسلامیہ اور مطبع احمدی) جاری کیا، اسی مطبع سے شائع شدہ ایک کتاب (فیوض الحرمین) کے خاتمہ (۱۰۷ ـ ۱۰۸) میں پہلی بار اس مدرسہ کی تعمیر نو اور تجدید کا اعلان کیا، اس اعلان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسہ کی عمارت کے کچھ حصّے کی تعمیر کرالی تھی مگر اصل کام ـ سلسلۂ درس کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا، یہ اعلان محرم ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں کیا تھا، اس کے بعد کی مطبوعہ کتابوں کے خاتمے میں وہ مدرسہ کے آغاز کا اعلان اور اعانت کے لیے دعوت دی جاتی رہی مگر کوئی تفصیل کبھی نہیں آئی، یہاں تک کہ ۱۳۱۲/۱۸۹۴ء میں جب مولوی سیّد عبدالحیؒ ان سے ملے ہیں تو مدرسہ باقی نہیں رہا تھا لکھتے ہیں۔ ؎۱

> انھوں (سیّد احمد) نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کی کتابیں شائع کی جائیں چنانچہ اکثر رسائل چھپوائے ہیں اور باقی چھپ رہے ہیں ایک پریس بھی قائم کیا ہے ابتدا میں خاص حضرت مولٰینا کے مدرسہ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، مگر ابناء زمانہ کی بے اتفاقی سے وہ ٹوٹ گیا۔

مولوی سیّد احمد نے مدرسہ کا نام مدرسۂ عزیزی تجویز کیا تھا، مطبع کے نام کے ساتھ

؎۱ دھلی اور اس کے اطراف ۱۱۳

التزام "متعلق مدرسۂ عزیزی" لکھا کرتے تھے، کہیں کہیں "مدرسۂ کہنہ شاہ عبدالعزیز صاحب" بھی لکھتے ہیں "کہنہ" کی قید "مدرسۂ شاہ اسحٰق" سے امتیاز کے لیے تھی۔

مدرسہ کا نصاب شاہ عبدالرحیم سے لے کر شاہ اسحٰق کے عہد تک کیا رہا اور اس میں کس نے کیا تبدیلیاں کیں؟ اس پر ہم اپنی کتاب "حیات شاہ محمد اسحٰق" میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس داستان کو ختم کرتے ہیں۔

شاہ ولی کے بھائی

شاہ اہل اللہ پھلتی

شاہ عبدالرحیم کی دو شادیاں ہوئی تھیں، پہلی سونی پت (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ ان سے ایک صاحب زادے صلاح الدین ہوئے، دوسری ساٹھ سال کی عمر میں ایک شاگرد و مرید شیخ محمد صدیقی پھلتی (ف ۱۱۲۵ھ) کی صاحب زادی فخر النساء بیگم[۱] سے ہوئی، ان سے دو صاحب زادے ہوئے (۱) شاہ ولی اللہ (۲) اور شاہ اہل اللہ، شاہ ولی اللہ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ بجا طور پر اس کے مستحق تھے مگر شاہ اہل اللہ کو متعدد وجوہ سے وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے۔

شاہ اہل اللہ ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۰ء میں پھلت میں پیدا ہوئے[۲]۔ تحصیل علوم اپنے والد ماجد، بڑے بھائی اور دوسرے اساتذہ سے کی اور دینیات، عقلیات اور طب میں ملکہ حاصل کیا۔ ۱۴ سال کی عمر میں والد ماجد سے بیعت کی اور اشغال طریقہ اخذ کئے، اسی عمر میں آپنے والد کے مکاتیب کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ ۱۱۳۱ھ میں والد کے سائے سے

[۱] القول الجلی از شاہ محمد عاشق بحوالہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۲۱۲ از خلیق احمد نظامی، ۱۹۶۹ء
[۲] تکملہ ہندی مطبع احمدی دہلی ص ۵۸ ۔

محروم ہوگئے تو اپنی علمی تشنگی اور تربیت کی کمی کو اپنے بڑے بھائی سے رفع کیا اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔

۱۱۴۳ھ میں جب ان کی عمر ۲۳، ۲۴ برس کی تھی، شاہ ولی اللہ نے حج و زیارت اور طلب حدیث کے لئے حرمین شریفین کا عزم کیا تو خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی اور اجازت بیعت و ارشاد ان کو دی اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کا جانشین ان کو بنایا اور فرمایا جیسا خرقہ ہم کو حضرت والا قدس سرہ سے پہنا تھا، ایسا ہی ہم نے ان کو دے دیا، متعلقین کو چاہیئے کہ ان کو بجائے پدر بزرگوار سمجھیں[۱]"

مطب: تحصیل علوم سے فراغت کے بعد شاہ اہل اللہ نے باقاعدہ مطب کا سلسلہ شروع کیا، شاہ عبدالرحیم خود بھی طبیب تھے، شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں[۲]۔

از ہر علم بہرۂ معتد بہ داشتند و	انھیں (شاہ عبدالرحیم کو) ہر علم میں کافی دخل
مناسبتے بفنے از فنون طبع الشان	تھا اور فنون میں سے کسی فن سے بھی تھوڑا
۔ […] داد و در طب حدس ایشاں بغایت	بہت بھی تعلق نہ ہونا انھیں گوارا نہیں ہوتا
[…] رسا بود۔	تھا، طب تو ان کے مزاج کو خصوصی مناسبت تھی۔

تشخیص مرض میں ان کے ذہن کی درا کی اور ان کے ملکہ کا ایک دلچسپ واقعہ بھی […] ولی اللہ نے تحریر فرمایا ہے[۳] کہ سادات بارہہ کے کسی گاؤں میں، آپ تشریف لے […] لوگوں نے ایک بیمار کا قارورہ آپ کو دکھایا، آپ نے صرف قارورہ دیکھ کر بغیر مریض

[۱] تکملہ ہندی ص ۵۸ [۲] بوارق الولایت (انفاس العارفین) ص ۳۶ مطبع احمدی دہلی۔
[۳] بوارق الولایت (انفاس العارفین) ص ۳۵ مطبع احمدی دہلی۔

کی نبض دیکھے اور حالات معلوم کئے فوراً نسخہ لکھ دیا۔ ایک ہندو طبیب نے جو وہاں موجود تھا سوال کیا کہ حضرت! تشخیص مرض بھی فرمالی ہے؟ آپ نے مسکرا کر جواب دیا "یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا یہ نام ہے، یہ شکل وصورت ہے، یہ اخلاق عادات ہیں، یہ یہ شکایات ہیں، ان کے علاوہ بھی اور بہت سے کام جو وہ کرتی ہے ہمیں معلوم ہیں ـــ" ہندو طبیب نے برمحل سوال کیا کہ حضرت! یہ باتیں کس طبی کتاب میں لکھی ہیں؟ آپ نے فرمایا جی نہیں یہ طب نہیں ہے، یہ ہم غلامان محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فراست صادقہ ہے۔

شاہ اہل اللہ نے اپنے والد کی مسند مطب کو آباد کیا، شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ[1]

حکمت ہمہ در خاندان ما معمول بود چنانچہ جد بزرگ وار وعم فقیر می کردند۔	ہمارے خاندان میں طبابت کا سلسلہ بھی تھا اور میرے دادا اور چچا مطب کرتے تھے

ایک اور موقع پر فرمایا:[2]

عم من در طب مہارت وکمال داشت	میرے چچا طب میں ماہر وکامل تھے۔

مولوی سید ظہیر الدین عرف سید احمد ولی اللہی لکھتے ہیں[3]

شاہ ولی برادر خورد شاہ اہل اللہ بھی اس خاندان کے ایک ذی علم وباکمال شخص گزرے ہیں جو مختلف علوم وفنون میں تبحر رکھتے تھے، علاوہ دینی علوم کے آپ علم بیدک کے جو ہندوستان کا فن طب ہے بڑے عالم وعامل تھے اور اس فن میں گویا اپنے وقت کے دھنتر وید تھے جن کی تشخیص وتجویز نے ہزاروں بیماروں کو جو لب گور پہنچ گئے تھے پھر زندگی بخشی۔

ع۱ ملفوظات عزیزی ص۲۲ (مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ) ع۲ ایضاً ص۴۳
ع۳ انفاس العارفین، سرورق ص۳

معالجہ کا مشغلہ انھوں نے میراث پدری ہونے کے علاوہ ایک اشارۂ غیبی کی بنا پر بھی اختیار کیا تھا، شاہ عبدالعزیز راوی ہیں[1] کہ

روزے در خواب دیدند کہ شخصے می گوید کہ خدا بیمار است دوا کن، حضرت والد ماجد فرمودند در حدیث آمدہ کہ روز قیامت خدا خواہد گفت کہ من مریض شدم دوا نکردی، وگرسنہ شدم وتشنہ شدم وعریاں شدم، آب وطعام وجامہ ندادی، بندہ گوید خدایا تو منزہ، فرمود کہ فلاں بندہ من بیمار بودہ وگرسنہ بود گویا من بودم۔	شاہ اہل اللہ نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ "خدا بیمار ہے اس کا علاج کر"، میرے والد ماجد نے یہ خواب سن کر فرمایا، حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ فرمائے گا میں بیمار تھا تو نے دوا نہ دی، میں بھوکا تھا، پیاسا ننگا تھا تو نے کھانا پانی اور کپڑا نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا خدایا تو ان احتیاجات سے پاک ہے، اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا، فلاں بھوکا تھا تو گویا میں ہی بھوکا اور بیمار تھا۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے بھائی کے خواب کی تاویل یہ کی طب کی تحصیل کے بعد مطب نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے استطاعت کے باوجود بھوکے کو کھانا نہ کھلانا۔ ممکن ہے شاہ اہل اللہ کے مشغلے کا محرک یہی خواب ہو، ورنہ ہوسکتا ہے وہ بھی بڑے بھائی کی طرح درس وتصنیف اور ارشاد وہدایت ہی میں صرف ہمت واوقات کرتے۔

وہ دوسرے اطباء کی طرح مریضوں کے معائنہ کے لئے گھروں پر بھی بلائے

ع۱ ملفوظات عزیزی۔

جاتے تھے، ایک بار ایک مریض کے گھر جاتے وقت وہ اپنے بھتیجے شاہ عبدالعزیز کو بھی جو بچے تھے ساتھ لیتے گئے ۔ مریض ایک ذاکر و شاغل بزرگ تھے، مرض الموت سے دوچار تھے، غفلت طاری ہو چکی تھی، مگر ہاتھ کی انگلیاں اس طرح چلا رہے تھے جیسے ہاتھ میں تسبیح ہو اور ایک تسبیح پوری کر کے دوسری تسبیح شروع کرتے وقت جس طرح "امام" کو درست کیا جاتا ہے، شاہ اہل اللہ نے حساب کیا تو ٹھیک سو دانے گننے کے بعد وہ امام کو درست کرتے تھے ۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ شاہ اہل اللہ فرمانے لگے نیک کام کا محاورہ پڑ جانا بھی بڑے کام آتا ہے کہ بے قصد اور بے ہوشی میں بھی وہ کام انجام پا رہا ہے۔[1]

اسی طرح ایک اور "فِدِ زِدِشْ" کا عجیب واقعہ شاہ عبدالعزیز نے بیان فرمایا ہے کہ جس زمانے میں ہم لوگ پرانی دلی میں رہتے تھے، کوچہ انبیار کے ایک سید صاحب کے یہاں ایک پوربن بڑھیا بیمار پڑی تھی ۔ یہ بڑھیا سید صاحب کے یہاں ایک لونڈی کی حیثیت سے پلی تھی، ان پڑھ تھی اور کبھی نماز کی ٹکر تک نہیں مارتی تھی، آخری وقت آیا تو پوربی بھجن یا کچھ ایسے الفاظ ادا کرنے لگی جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے، کئی اطبار و حملا بلوائے گئے، جب کسی کی سمجھ میں بات نہیں آئی تو چچا جان کو تکلیف دی گئی، آپ نے غور کر کے سنا تو پتہ چلا کہ لاتخافی ولاتحزنی کہہ رہی ہے، آپ نے گھر والوں سے کہا اس سے یہ پوچھو کہ یہ الفاظ کیوں کہہ رہی ہے، بڑی مشکل سے بولی کہ کچھ لوگ کھڑے مجھ سے یہ الفاظ کہہ رہے ہیں، دریافت کیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟ بولی، یہ تو نہیں جانتی مگر دل کہتا ہے کہ میری تسلی کے لئے کہہ رہے ہیں ۔ کہا گیا کہ ان لوگوں سے یہ پوچھو کہ میرے کس کام کے صلے میں یہ تسلی دے رہے ہیں، تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولی، یہ کہہ

[1] ملفوظات عزیزی ص۱۳۱

رہے ہیں کہ تو نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا، مگر ایک روز سردی کے موسم میں تو بازار سے گھی لے کر اور اسے گرم کر کے چھاننے لگی تو اس میں سے ایک روپیہ نکلا تھا، پہلے تیری نیت یہ ہوئی کہ روپیہ ہضم کر لے کیوں کہ کسی کو اس کی خبر نہیں تھی، مگر پھر اللہ کے خوف سے تو نے وہ روپیہ دوکان دار کو لے جا کر واپس کر دیا، بس تیری یہ ادا بھا گئی ۔[1]

پھلت میں

والد کے انتقال کے بعد کچھ مدت ہی شاہ اہل اللہ دہلی میں رہے اور پھر پھلت منتقل ہو کر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی، پھلت دہلی سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ضلع مظفر نگر (یوپی) کا ایک قریہ ہے جو شاہ صاحب کا ننھیال بھی تھا اور مولانا شاہ ولی اللہ بھی یہیں پیدا ہوئے تھے[2] اور ابتدائی عمر میں ان کا قیام بھی عموماً پھلت رہتا تھا۔[3]

شاہ اہل اللہ نے دہلی کا مستقل قیام ترک کر کے پھلت میں سکونت کیوں اختیار کی تھی؟ اس کا سبب معلوم نہیں ہو سکا لیکن اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ علمی دنیا میں اس مقام کو نہ پا سکے جس کے وہ مستحق تھے اور انہیں نہ صرف یہ کہ خاطر خواہ شہرت حاصل نہ ہو سکی بلکہ ان کے حالات زندگی پر بھی پردہ پڑ گیا اور چند سطروں سے زیادہ ان کے سوانح یکجا نظر نہیں آتے اور یہ حالت آج نہیں ہوئی بلکہ آج سے تقریباً ایک صدی قبل اور شاہ صاحب کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد ۱۲۸۰ھ میں اسی خاندان کے ایک متوسل و نیاز مند صاحب الیانع الجنی کو یہ لکھنا پڑا کہ[4]

وکان لولی اللہ اخ یسمی الشیخ ... شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی بھی تھے

[1] ملفوظات عزیزی ص۱۳۱ ۔ [2] وہ کمرہ جس میں شاہ ولی اللہ کی ولادت ہوئی تھی اب تک محفوظ و مقفل ہے سال میں ایک بار کھولا جاتا ہے، ہم نے ۴۲ء اور ۵۱ء میں اس کی زیارت کی ہے ۔ [3] روضۃ القیومیہ بحوالہ رود کوثر ص۵۰۵ ۔ [4] الیانع الجنی من اسانید الشیخ عبدالغنی از محسن ترہتی جید برقی پریس دہلی ۱۳۴۹ھ ص۹۴
[5] کمرہ مولد شاہ صاحب کا طول و عرض ۱۱×۱۱½ فٹ ہے ۔ ۱۲ منہ

اهل الله كان اهل الله واهل العلم بلے لم يبلغني خبرہٗ فوق ان لہٗ کتابًا۔

جن کا نام شاہ اہل اللہ تھا، جو ایک با خدا اور صاحب علم بزرگ تھے۔ مجھ ان کے حالات اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ ان کی ایک تصنیف ہے۔

حال آں کہ اس کتاب میں اس خاندان کے دوسرے ارکان کے حالات کسی قدر وضاحت و تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

مولوی فقیر محمد جہلمی اسی خاندان کے تلامذہ میں سے تھے، انھوں نے احناف کے تراجم پر مشتمل حدائق الحنفیہ لکھی مگر شاہ اہل اللہ کے ذکر خیر سے محروم رہ گئے، حالانکہ شاہ ولی اللہ کے برعکس شاہ اہل اللہ کی حنفیت میں مجال کلام نہیں ہے بلکہ وہ مسلک امام اعظم کی حمایت و نصرت میں چاق و چوبند تھے، اور اسی جرم میں اہلحدیث مورخین نے انھیں نظر انداز کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

خود اسی خاندان کے ایک رکن، مولوی سید احمد ولی اللہی کو شاہ اہل اللہ کی ایک کتاب شائع کرتے وقت ان کا تعارف یوں کرانا پڑا:

"شاہ اہل اللہ بھی اسی خاندان کے ایک ذی علم اور باکمال شخص گزرے ہیں۔"[۱]

بہرحال شاہ اہل اللہ مستقلاً اپنے ننھیال پھلت میں مقیم ہو گئے تھے وہاں ان کا ذریعۂ معاش ممکن ہے جاگیر ہو، ان کے ننھیال میں سلطان سکندر لودھی (۱۵۱۶ء) کے وقت سے زمیں داری چلی آئی تھی جو شاہ اہل اللہ کے نانا شیخ محمد پھلتی کے بزرگوں کو ملی تھی[۱] اس کے علاوہ خود ان کے دادھیال کو بھی جاگیر ملی ہوئی تھی، ۱۷۵۰ء میں جب

---

[۱] بوارق الولایت (انفاس العارفین) مطبع احمدی دھلی۔ مطبوعہ المعارف لاہور ص ۳۵۸

احمد شاہ ابدالی نے پانچواں حملہ دہلی پر کیا تو ساری جاگیریں ضبط کر لی تھیں۔ شاہ ولی اللہ ایک خط میں لکھتے ہیں[۱]

اکثر اسناد تمغائے اکثرے ضبط شد الا آں تمغائے ایں جانب کہ دستخط کردہ دادہ اند۔

بہت سوں کی جاگیروں کی اسناد ضبط کر لی گئیں مگر میری سند اپنے دست خط کر کے واپس کر دی۔

ایک زمانے میں شاہ ابوسعید بریلوی نے یا ان کے توسط سے کسی اور صاحب نے شاہ صاحب کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا جس کے شکریہ میں شاہ اہل اللہ نے ان کو لکھا۔[۲]

ایں نیاز مند را از فکر معاش نجات بخشیدند۔

آپ نے مجھے فکر معاش سے نجات دلائی ہے۔

پھر دعا کے بعد لکھتے ہیں:

حسب الایما خط شکر گزاری بجان رفعت نشاں مرقوم شدہ

آپ کے ارشاد کے مطابق خاں صاحب کو شکریے کا خط لکھ دیا ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے خط میں پھر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

احوال یومیہ کہ از توجہ و جہیہ صورت گرفتہ است بفضل الٰہی تا حال جاری ست نیاز مند با دیگر کس و کو خود رطب اللسان شکر گزاری ست۔

شاہ صاحب کا وصال ۱۱۸۷ھ میں پھلت میں ہوا[۳] اور وہیں درگاہ کے احاطہ کے[۴] باہر مدفون ہوئے۔

---

[۱] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات مکتوب دوازدہم ص۱۳ طبع ۱۹۶۹ء۔ [۲] مکتوبات المعارف مطبع انوار العلوم سہارنپور ۱۳۰ھ۔ [۳] مکتوبات المعارف۔ [۴] درگاہ ایک احاطہ کا نام ہے جس میں چار مزارات ہیں ایک شاہ محمد عاشق کا اور دوسرا شاہ محمد فائق کا تیسرا شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا، چوتھے مزار کے متعلق صحیح اطلاعات حاصل نہ ہو سکیں۔

شاہ اہل اللہ کے چند تبرکات اب تک پھلت میں موجود ہیں (۱) موئے مبارک
اس کا قصہ شاہ ولی اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ والد نے فرمایا کہ ایک بار بخار کے تسلسل سے
میری حالت غیر ہو گئی، ایک دن خواب میں نانا شیخ عبدالعزیز شکر بار نظر آئے اور انھوں
نے فرمایا کہ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں، پھر حضورؐ تشریف لے آئے اور فرمایا میرے بیٹے
کیا حال ہے ؟ میں اس شاہانہ شفقت و رحمت عنایت کو دیکھ کر فرط طرب سے اور وجد
میں آکر رونے لگا سرکار نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا میرا چہرہ آپ کے سینہ مبارک
سے لگا ہوا تھا اور میرے اشکوں سے آپ کا پیراہن مبارک تر ہو گیا، جب یہ کیفیت
کم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ کاش سرکار مجھے موئے مبارک عطا فرما دیں، اس خیال کی اطلاع پا کر
آپ نے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موئے مبارک مجھے عطا فرمائے، میں نے بیدار
ہو کر وہ موئے مبارک اپنے تکیہ کے نیچے پائے۔ بخار اتر گیا تھا مگر کمزوری باقی تھی چند روز
میں وہ دور ہو گئی شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موئے مبارک شاہ ولی اللہ کو عطا فرما
دیا تھا[1] - اور دوسرا شاہ اہل اللہ کو، دہلی میں اس موئے مبارک کی سالانہ زیارت کرائی
جاتی تھی۔ مولانا فضل رسول بدایونی کا بیان ہے کہ موئے مبارک کا صندوقچہ زیارت کے
لئے گھر سے باہر شاہ اسمٰعیل اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے[2]۔

شاہ اہل اللہ کے حصے میں جو موئے مبارک آیا تھا وہ اپنے ساتھ پھلت لے
گئے تھے اور وہاں محفوظ ہے لکڑی کا ایک صندوق ہے اس میں ایک شیشی ہے جس میں
روئی کے اوپر موئے مبارک رکھا ہوا ہے، ارباب پھلت کا بیان ہے کہ یہ روئی شیشی

[1] انفاس العارفین والدر الثمین ص۔ [2] البوارق المحمدیہ لرجم الشاطین النجدیہ طبع ۱۲۶۵ھ ص۱۰۶

اور صندوق وہی ہے جو شاہ اہل اللہ کے زیر استعمال تھے۔

(۲)۔ مصحف مبارک، خط طغریٰ میں ایک مصحف کلام مجید ہے جس کا عرض تقریباً
۲ انچ اور طول تقریباً ۲ ½ فٹ[1] ہے، غالباً عہد جہانگیری میں لکھا گیا ہے۔ یہ مصحف
شاہ اہل اللہ کو اپنے دادیہال سے ورثہ میں ملا تھا یا ننہال سے یہ معلوم نہ ہو سکا۔
شاہ اہل اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے نانا شیخ محمد پھلتی پیر شیخ آدم بنوری کے خلفا
میں سے ایک بزرگ، شیخ جلال بہت مہربان تھے انھوں نے وصال کے وقت
وصیت کی تھی کہ ان کا مصحف شیخ محمد کو دے دیا جائے۔ ممکن ہے یہی مصحف شیخ محمد سے
شاہ اہل اللہ کو ورثے میں ملا ہو، العطیۃ الصمدیہ (انفاس) ص۱۷۱

(۳)۔ نعل مبارک، لکڑی کی ایک طاق کھڑاؤں (جفت نہیں) غالباً دوسرا طاق شاہ
ولی اللہ کو دیا گیا ہو گا۔ یہ نعل مبارک کس ذات گرامی سے نسبت رکھتا ہے ؟ اس
کی تحقیقات کا اتفاق نہیں ہوا۔

(۴)۔ قدم شریف، اس کی بھی تفاصیل حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی حضرت شاہ اہل اللہ
کا قیام اپنے نانا شیخ محمد کے یہاں تھا، اس کی وجہ سے یہ تبرکات، شاہ اہل کے
اخلاف کے قبضے میں ہونے کے بجائے شیخ محمد کے اخلاف کے قبضے میں ہیں۔

(۵)۔ ایک مصحف کلام مجید قلمی جس پر حاشیہ میں آیات و سورہ کی شان نزول خاص طور پر
تحریر تھی مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے مولانا محمد حسین نبیرہ شاہ رفیع الدین کا نسخہ منشی
فرحت اللہ صاحب سے حاصل کر کے شائع کر دیا انھوں نے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے
(مکتوب مولوی حکیم انیس احمد صدیقی بنام راقم الحروف)

[1] مولوی حکیم انیس احمد صدیقی کا بیان ہے کہ طول تقریباً ۲ گز (۶ فٹ) ہے۔

اخلاف شاہ صاحب کے ایک صاحب زادے شاہ مقرب اللہ تھے۔ افسوس ہے کہ ان کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہے کہ ۱۱۷۶ھ میں جب شاہ ولی اللہ کا دہلی میں وصال ہوا تو وہ دوسرے اعزّہ پھلت خصوصاً اپنے والد کے ساتھ اس وقت دہلی میں تھے[1]
نیز حیات ولی میں شاہ اہل اللہ کے نام شاہ عبدالعزیز کا عربی میں ایک خط ہے، جس میں ان کے یہاں ایک بچّے کی ولادت پر مبارک باد دی ہے جس میں دعائیہ الفاظ سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ نو مولود مقرب اللہ تھے، اطال عمرہ واسعدہ وجعلہ مقرب جناب اللہ درباہ فی ظلل اہل اللہ ص۳۲۵

شاہ مقرب اللہ کے صاحب زادے شاہ معظم اللہ تھے[2]۔ ان کے صاحب زادے شاہ محتشم اللہ تھے جن سے شاہ محمد اسحٰق دہلوی کی صاحب زادی منسوب تھیں اور ۱۲۵۸ھ میں جب شاہ اسحٰق نے مکہ معظمہ ہجرت کی تو وہ بھی شاہ صاحب کے ساتھ ہی تھے، حافظ بھی تھے[3]، ان کے ایک فرزند مولوی عبدالرحمٰن تھے[4]، مولانا عبیداللہ سندھی نے شاہ ولی اللہ کی کتاب المسوّی شرح المؤطا کا مخطوطہ ان ہی مولوی عبدالرحمٰن کے ورثا سے حاصل کیا تھا۔ مولانا سندھی نے المسوّی کے مقدمہ میں شاہ ولی اللہ کی ایک سند بھی نقل کی ہے جو شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم ساکن پنجاب کو عطا ہوئی تھی، یہ سند بھی مولانا کو ورثا مولوی عبدالرحمٰن سے حاصل ہوئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد اسحٰق اپنے ساتھ اپنے خاندانی نوادر جو انھیں شاہ

---

[1] مکتوبات المعارف۔ [2] مقالات طریقت میں ان کا نام محمد معظم اور عرف "مولوی محمدی" لکھا ہے ص۲۴۶

[3] مقالات طریقت ص۲۴۶

[4] مکہ معظمہ میں آپ (شاہ یعقوب) کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ خدا تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے۔ مقالات ص۲۴۶

عبدالعزیز کا نواسہ اور جانشین ہونے کی حیثیت سے ملے ہوں گے لے گئے تھے، شاہ اسحٰق کے وصال کے بعد ظاہر ہے کہ وہ ان کے نواسوں سے ملے ہوں گے۔

پتہ نہیں یہ نوادر اور تبرّکات اب کس کے قبضے میں ہیں۔

شاہ اہل اللہ کے ایک اور صاحب زادے تھے جن کا نام پھلت کے بزرگوں کی زبانی روایت کی بنا پر محمد عمر تھا ان کا مزار بھی درگاہ میں ہے، اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ البتّہ ان کے دو صاحب زادوں (۱) مولوی محمد یوسف (۲) اور مولوی محمد عثمان کا ذکر سیّد احمد شہید کی تحریک جہاد کے سلسلے میں آتا ہے۔

سید احمد شہید جب ۱۸۱۸ء میں نواب امیر خاں بانی ٹونک سے منقطع ہو کر دہلی آئے تو بیعت کا سلسلہ شروع ہوا، اوّلین بیعت کرنے والوں میں مولوی محمد یوسف پھلتی تھے جو شاہ اہل کے پوتے تھے۔ سیّد صاحب کا شہرہ سن کر شاہ اسماعیل اور مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی نے مولوی یوسف سے کہا تھا کہ پہلے تم بیعت کرو اور جو فیوض و برکات حاصل ہوں ان کی تفصیل ہمیں بتاؤ تو پھر ہم بھی بیعت کریں گے، چنانچہ مولوی محمد یوسف سیّد صاحب سے بیعت ہوئے اور زندگی کے آخری سانس تک سیّد صاحب کے رفیق، معتمد، مشیر، خزینہ دار اور داروغہ رہے۔ ہندوستان کے دورے اور سفر حج میں ساتھ تھے اور پھر ساتھ ہی سرحد کی طرف ہجرت کی اور جہاد میں شریک رہے۔ شوال ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء میں اوچ (نزد سوات) میں انتقال فرمایا۔ سیّد صاحب نے فرمایا مولوی صاحب (یوسف جی) لشکرِ اسلام کے قطب تھے"[1]

---

[1] منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء از جعفر علی نقوی (مخطوطہ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک)۔ (مخزن احمدی) از مولوی محمد علی رائے بریلوی ص۳۰ (جماعت مجاہدین از غلام رسول مہر۔

مولوی محمد یوسف کے دوسرے بھائی مولوی محمد عثمان تھے، نومبر ۱۸۲۱ء میں جب سید صاحب یوپی کا دورہ کرتے ہوئے پھلت پہنچے تو جن حضرات نے سید صاحب کی دعوت کی تھی ان میں مولوی محمد عثمان بھی تھے۔

تالیفات

انفاس رحیمیہ | شاہ اہل اللہ کی یہ سب سے پہلی تالیف ہے کیونکہ یہ ان کے والد (شاہ عبدالرحیم) کے خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے والد کی حیات ہی میں (۱۱۳۱ھ سے پہلے) جمع کر لئے تھے، اور والد کی نظر سے بھی یہ مجموعہ گزر چکا تھا اور انھوں نے اس کی ترتیب کی تائید کی تھی۔

یہ مجموعہ مطبع احمدی دہلی اور مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہو چکا ہے۔

تخریج احادیث ھدایہ | شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد مولوی محمد محسن ترہتی الیانع الجنی (تالیف ۱۲۸۰ھ) میں لکھتے ہیں[1]:

[1] الیانع الجنی ص۹۴ ۔ اسی بنیاد پر ہم نے شروع میں یہ عرض کیا تھا کہ بعض مورخین کا یہ خیال غلط ہے کہ انھوں نے اپنے بڑے بھائی شاہ ولی اللہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ شاہ ولی اللہ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور شاہ عبدالرحیم کی وفات ۱۱۳۱ھ میں ہوئی تھی۔ شاہ اہل اللہ اگر بڑے بھائی کی ولادت کے تقریباً دو سال بعد ۱۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے تو ۱۱۳۱ھ میں تقریباً $\frac{15}{14}$ سال کے ہوں گے۔ اور اس قابل ہوں گے کہ والد کے خطوط کی اہمیت کو سمجھ سکیں، ان کی جمع و تدوین کی فکر کریں اور والد بھی انھیں اس لائق سمجھیں $\frac{14}{15}$ سال سے کم کی عمر میں عام حالات میں آدمی اس قسم کے کاموں کا اہل ہوتا ہے نہ اس کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔ اگر ہمارا یہ قیاس صحیح ہے یعنی وہ اپنے بڑے بھائی سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے تو مورخین کا یہ قول بھی غلط ہے کہ انھوں نے دو سال بڑے بھائی سے تحصیل علوم کی تھی اور وہ بھی والد کی حیات میں، پھر نہ تو اس قول کا کوئی مآخذ بیان کیا گیا ہے، نہ شاہ ولی اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے، یہ ضرور لکھا ہے کہ سترہ سال کی عمر میں والد کی وفات کے بعد وہ مسند درس پر بیٹھے۔

"کان لولی اللہ اخ یسمی الشیخ اھل اللہ کان من اللہ واھل علم بہ لم یبلغنی من خبرہ سوی ان لہ کتاباً لطیفاً فی تخریج احادیث الھدایہ رأیت الابواب الاربعہ مختصرہ کلمات جامعہ یکثر نفعھا۔"

شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام شیخ اہل اللہ تھا اور جو اہل اللہ اور صاحب علم تھے، مجھے ان کے حالات کا اس سے زیادہ پتہ نہیں ہے کہ انھوں نے ایک بڑی نفیس کتاب لکھی ہے جس میں ہدایہ کی حدیثوں کی تخریج کی ہے، میں نے اس کتاب کے چار باب دیکھے ہیں۔ یہ ایک مختصر کتاب ہے جس میں الفاظ کم اور منافع زیادہ ہیں۔

الیانع الجنی کے علاوہ اس کتاب کا کہیں تذکرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ بہر حال محسن نے خود دیکھی تھی اس لئے کتاب کے وجود میں شک ہی نہیں ہے۔

تلخیص ہدایہ | یہ مشہور کتاب ہدایہ کا خلاصہ ہے، خلاصہ اس طرح کیا ہے کہ مسائل کے مناقشات حنفی کے صاحبین امام اعظم کے اختلافات تک کا ذکر نہیں کیا ہے۔ امام اعظم کے مسلک فقہی کو پیش کیا ہے اور اس کی تائید میں صحاح ستہ اور مستدرک حاکم کی احادیث نقل کی ہیں۔ اس کتاب کا ایک مخطوطہ عبدالرشید مرحوم بن مولوی لیسین کے پاس تھا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ مولوی عبدالقیوم محدث بڈھانوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ مولوی عبدالرشید کا بیان ہے کہ اس کتاب کے دوسرے مخطوطات کتب خانہ نواب حبیب الرحمن خاں شروانی، کتب خانہ آصفیہ اور مولینا عبدالعزیز میمنی کے پاس ہیں۔

اصولِ فقہ | مختصر و مفید رسالہ بھی مولوی عبدالرشید کے پاس تھا جوان کے والد مولوی محمد یٰسین مرحوم بریلوی بنگلور میں ایک قلمی نسخے سے نقل کیا تھا۔

تفسیر قرآن | عربی زبان میں شاہ صاحب نے قرآن کی یہ تفسیر قدیم مفسرین کے انداز پر اور ارباب تصوّف کے مذاق کو ملحوظ رکھ کر کی ہے، اس کا ایک مخطوطہ ریاست ٹونک کے کتب خانہ سعیدیہ میں محفوظ ہے [۱]

چہار باب | یہ فارسی زبان میں ۵۰ صفحات کا ایک رسالہ ہے جو چار ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اوّل دربیان عقائدے کہ دانستن آں بہ ہر مسلمان لازم است

باب دوم دربیان آنچہ عمل آں فرض یا واجب یا سنّت یا مستحب ست

باب سوم در فضائل اعمال

باب چہارم بعضے از نصائح

یہ رسالہ پہلی بار ۱۲۵۰ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔

کنز الدقائق کا ترجمہ فارسی | شاہ صاحب نے فقہ کی مشہور کتاب کنز الدقائق کا بھی فارسی ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ تو اب تک طبع نہیں ہوا، مگر مولوی محمد احسن نانوتوی نے اس فارسی ترجمہ کا جو اُردو ترجمہ کیا تھا وہ مطبع صدیقی بریلی سے ۱۲۸۴ھ میں چھپا تھا۔ اس ترجمہ کی دوسری اشاعت ترجمہ کی نظرثانی کے بعد مطبع مجتبائی دہلی سے اور تیسری اشاعت مطبع قیومی کانپور سے ۱۹۱۶ء میں ہوئی تھی۔ [۲]

---

[۱] معارف جلد ۷۱ شمارہ ۲ مولوی عبدالرشید بریلوی، کتب خانہ سعیدیہ ٹونک۔

[۲] مولانا محمد احسن نانوتوی از پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۶ء

ترجمہ موجز القانون فارسی تکملہ یونانی تکملہ ہندی | شاہ صاحب نے شیخ الرئیس کے "قانون" کی مشہور تلخیص موجز القانون (از علاء الدین علی بن خرم القرشی) کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا تھا۔ مگر اس کتاب کے کسی مخطوطے کا ذکر دیکھنے میں نہیں آیا اس کے وجود کا علم بھی اس کے دو تکملوں سے ہوا ہے، جو تکملہ یونانی اور تکملہ ہندی کے نام سے برّعظیم کے مشہور کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں اور طبع بھی ہو چکے ہیں۔

تکملہ یونانی کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ موجز کے ترجمہ فارسی سے فراغت کے بعد میں نے سوچا کہ سخنہائے یونانی کو بھی جمع کردو۔ اس کتاب کا جو مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے اس کے اوراق ۱۸ ہیں۔ تکملہ ہندی کے آغاز میں فرماتے ہیں تکملہ یونانی کے ساتھ میں نے سوچا کہ ادویہ ہندی بھی مرتب کردوں، آصفیہ، اوراق ۴۲، یہ کتاب مولوی سیّد ظہیر الدین عرف سیّد احمد ولی اللّٰہی نے مطبع احمدی متعلقہ مدرسہ عزیزیہ سے شائع کردی تھی، سن طبع مطبع عزیزی کی دیگر مطبوعات کی طرح اس پر بھی درج نہیں ہے۔ ویسے اس کے سن طباعت کی تخمین یوں کی جاسکتی ہے کہ صاحب نزہۃ الخواطر جب ۱۸۹۴ء میں مولوی سیّد احمد سے دہلی میں ملے تھے تو یہ کتاب زیر طباعت تھی (دہلی اور اس کے اطراف مولینا سیّد عبدالحئی ص ۲۲ صفحات ۱۸) کتاب کے آخر میں شاہ اہل اللہ کے حالات بھی تحریر کئے گئے جو میرے علم کے مطابق سب سے مستند اور مفصل تحریر ہے۔

فوائد | مولوی سیّد احمد ولی اللّٰہی لکھتے ہیں [۱] "ایک رسالہ معنون بہ فوائد آپ کی تصنیفات سے ہے، اس میں طریقت کے معارف اور حقیقت کے اسرار بیان کیے گئے ہیں۔

چند مکاتیب | شاہ اہل اللہ کے انداز تحریر اور فارسی انشاء کے نمونے کے طور پر

---

[۱] تکملہ ہندی ص ۲۶ مطبع احمدی دہلی۔

ذیل میں ان کے چند مکاتیب، مکتوبات المعارف سے نقل کیے جاتے ہیں :-

مکتوب :

حضرت شاہ اہل اللہ پھلتی برادرِ خورد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

بنام شاہ ابو سعید حسنی

بخدمت حقائق و معارف آگاہ فضلیت و کمالات دستگاہ سیدنا سیّد ابو سعید جیو سلمہم اللہ وابقاہم ——— از فقیر اہل اللہ بعد از سلام ملتمس است کہ خط بہجت نمط رسید آنچہ از راہ مہربانگی و شفقت کہ در بارہ ایں فقیر مبذول میدارند عنایات و توجہات ظاہری و باطنی مصروف فرمودند شکر آں بکدام زبان بیان نمودہ آید . . .

حضرت سبحانہ وتعالیٰ ترقیات دارین و کمالات کونین نصیب آں باذل نفسہم فی مرضات اللہ گرداند چنانچہ این نیازمند را از فکر معاش نجات بخشیدند او جلّ وعلا از جمیع حاجات از دین و دنیا ذات سامی را خلاص و نجات عنایت فرماید ———

توقع آنست کہ این دہ کہ بہ بخشی رام حوالہ شدہ است بوضع جریان دادہ شود کہ اینجا با ہر دیگر پرگنہ کہ بلا کلفت میسر آمدہ باشد ماہ بماہ بلا دقت بدست می آمدہ باشد زیادہ چہ۔ و ہر چہ صلاح دید صاحب بود بہتر است ۔ بخدمت میاں محمد عتیق جیو سلام رسد ——— حسب الایمائے خطِ شکر گزاری نجان قوت نشان مرقوم شدہ اگر مناسب دانند بگزرانند ———

ایک مکتوب گرامی میں حضرت شاہ اہل اللہؒ حضرت رائے بریلوی کو تحریر فرماتے ہیں :

(۱) ۔ احوال یومیہ کہ از توجہ و جہیہ صورت گرفتہ است بفضل الٰہی تا حالِ تحریر جاری

است و ایں نیازمند با دیگر کس و کوئے خود رطب اللسان شکر گزاری است اللہ تعالیٰ دیرگاہ سلامت دارد فقیر زادہ محمد مقرب اللہ سلام نیاز می رساند۔ زیادہ چہ نویسد ——— :

(۲) ۔ مکتوب حضرت شاہ اہل اللہ بنام شاہ ابو اللیث حسنی ملقب بہ ابو العیش فرزند حضرت شاہ ابو سعید حسنیؒ !

عزیز القدر سیادت مرتبت سید ابو العیش سلمہ ربہ بعد از سلام شوق التیام مطالعہ نمایند کہ شوق دیدار ایشان از استماعِ سعادت مندی شان زبانی والد بزرگوار بحدِ کمال است ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ بعافیت طرفین و خیریت جانبین ملاقات مسرت آیات میسر فرماید ——— یقین است کہ باشتغال علوم ظاہری و تحصیل سلوک باطنی از جناب قبلہ گاہ خود کہ مجمع کمالات دارین اند مشغول خواہید بود کہ بزرگ زادہ خاندان عالیہ را ایں ہر دو چیز ناگزیر است ۔ زیادہ بجز شوق و دعا چہ نویسد ———

نصائح | شاہ اہل اللہ نے اپنی کتاب چہار باب[۱] میں آخری (چوتھے) باب میں جو بیش[۲] نصائح لکھے ہیں، ان میں سے نقل کیے جاتے ہیں !

زندگانی چند روز ست بد اند کہ — دنیوی زندگی چند دن کی ہے خیال رکھیں
آخر گذشتنی ست از بہر دنیا با کسے عداوت — کہ بہ آخر گزر جائے گی اس لئے دنیا کے لئے
دشمنی نگیرند و کسے را عیب نکنند و بد نگویند — کسی سے عداوت اور دشمنی نہ رکھیں اور کسی
خصوصاً عیب یک فرقہ خاص را اعلانیہ — سے کسی کا عیب نہ کہیں اور اسے برا نہ کہیں

ھ۱؎ مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۵۸ھ (مگر ہم یہاں وصایا اربعہ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری سے نقل کر رہے ہیں)

ذکر نکنند و تا توانند بر کسے حسد نبرند و
دروغ بے فائدہ بر زبان نیاورند سخن
بد کسے بہ کسے نرسانند و خود را از بخل
و جبن تا توانند پاک گردانند و بہ آنچہ
رضائے اللہ تعالےٰ ست راضی باشند
و خود را بزرگ ترین و کلاں نشمارند و فخر و
نخوت را در دل راہ ندہند و تا توانند
در اصلاح عالم بکوشند و درمیان ہیچ
کس نقیض و فساد نیدازند و در اکل حلال
و صدق مقال و استقامت احوال
سعی کلی نمایند کہ سر جمیع طاعات و رئیس
جملہ عبادات است و از کلمہ خیر در حق
خویش و بیگانہ باز نمانند و در امر معروف
و نہی عن المنکر سعی بلیغ گمارند و اگر نتوانند
بدل ناخوش دارند و خود مرتکب آن
نشوند۔

خصوصاً کسی خاص فرقے کا عیب بھری
محفل میں نہ کہیں جہاں تک ہو سکے کسی
سے حسد نہ کریں اور بے فائدہ جھوٹ نہ
بولیں اور کسی کی بُری بات دوسرے تک نہ
پہنچائیں اور خود کو کنجوسی اور بزدلی کے الزام
سے جہاں تک ہو سکے محفوظ رکھیں، اور
اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہیں اور خود کو
بڑا نہ سمجھیں اور دل میں فخر (بے جا) اور گھمنڈ
نہ پیدا ہونے دیں اور دنیا کی اصلاح و درستی
کی کوشش کریں اور کسی کو کسی سے نہ لڑائیں
اور حلال روزی کمانے، سچ بولنے اور راست
روی کی پوری پوری کوشش کریں اس لئے
کہ یہی رُوح طاعات اور اصل عبادات ہے
اور اپنے اور پرائے کو نصیحت کرنے میں
کوتاہی نہ کریں اور اچھی باتوں پر اکسانے
اور بری باتوں پر ٹوکنے کی سعی بلیغ کریں اور
اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو (ان برائیوں کو) دل سے
بُرا سمجھیں اور کم سے کم خود ان کا ارتکاب کریں

ایام حیات و صحت خود را غنیمت

اپنی زندگی اور تندرستی کو غنیمت سمجھیں بے

شمارند بغیر ضرورت تمام در مہلکہ نیفتند
اگر مریض شوند پیش طبیب حاذق بروند و
اختیار در دست او دہند و در تدبیر دوا
و غذا مخالفت نہ نمایند و بے ظہور خطائے
فاحش طبیب دیگر نہ طلبند۔

ضرورت ہلاکت میں نہ پڑیں اگر بیمار
ہو جائیں تو کسی طبیب حاذق کے پاس
جائیں اور اس کے ہاتھ میں اختیار دیدیں اور
احتیاط، دوا اور پرہیز کے باب میں اس کی
ہدایات کی خلاف ورزی نہ کریں، اور
جب تک اس طبیب سے کھلی کھلی کوئی
غلطی نہ ہو جائے دوسرا طبیب نہ بدلیں۔

در شادی و غم و غصہ چناں فعلے نکنند
کہ بار دیگر ندامت آں کشند و در وقت
غضب عنان خود بگیرند چناں حرف
سخت نگویند کہ اگر باہم موافقت
شود خجلت آزاں کشند۔

خوشی، رنج اور غصّے کی حالت میں کوئی
ایسا کام نہ کریں کہ دوسری بار اس کی
ندامت اٹھانی پڑے اور غصّے میں خود پر
قابو رکھیں، مقابل سے کوئی ایسی بات
نہ کہیں کہ دوبارہ اتفاق اور باہم صلح ہو جائے
تو اس سخت بات کہہ دینے کی شرم محسوس ہو۔

در غنائے وافر و فقر مفرط تا توانند
از اخلاق قدیم خود دیگر نشوند بر دولت خود
چنداں ننازند و از غربت و فقر خویش چنداں
نالند کہ گردون گردان ست و جہان
از رنج و راحت گیتی ہر جان دل مشو خرم
کہ آئین جہان گاہے چنیں گاہے چناں باشد

دولت کی ریل پیل اور فقر و فاقہ میں جہاں
تک ہو سکے اپنے پہلے کے عادات و اطوار
میں فرق نہ آنے دیں، نہ اپنی دولت پر
اترائیں، نہ تنگ دستی و پریشان حالی سے
پست ہمت ہوں کہ آسمان گردش میں رہتا
ہے اور زمانے میں انقلاب آتے رہتے ہیں۔

(کل آپ کی حالت بدل سکتی ہے)

ز رنج و راحت گیتی مرنجان دل مشو خرم
که آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

رعایت و آداب گفت و شنفت

نشست و برخاست ہر جا و ہر مکان ضروری و لازم است خصوصاً در مجالس عامہ کہ در مرعی داشتن آں جہد بلیغ نمایند و محافظت تمام کنند کہ از ہیچ کس سخن بیجا و حرکت لغو سرزد نشود و در ہیچ امرے مخالفت اہل مجلس روا ندارند و رعایت مرضی رئیس آں را از اہم ضروریات شمارند و اگر خود سالار مجلس باشند احوال ہر کس موافق قدر او در تعظیم و تکریم رعایت کنند و برملا حرفے نہ گویند و فعلے نسازند کہ بر ہیچ کس از رئیس و خسیس گراں آیند۔

ہر جگہ اور ہر مقام کے باہم گفتگو اور نشست و برخاست کے طور طریق کا خیال رکھنا ضروری اور لازمی ہے، خاص طور پر عام محفلوں میں ان طور طریقوں کا لحاظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور اس کا اہتمام کریں کہ کسی شخص سے بری بات اور بیہودہ حرکت سرزد نہ ہونے پائے اور کسی بات میں شرکاء محفل کے خلاف طبیعت کام نہ کریں اور صدر بزم کی خاطرداری کو اہم ترین ضروریات میں شمار کریں۔ اور اگر خود میر محفل ہوں تو ہر شخص کی حیثیت کے مطابق اس کی تعظیم و تکریم کا لحاظ رکھیں اور بے تامل کوئی ایسی بات نہ کہیں نہ کوئی ایسا کام کریں جو محفل کے خواص و عوام پر گراں گزرے۔

عقل و کیاست و فہم و فراست

ہر چند امر جبلی ست اما بکثرت تجربہ و

عقل و ہوشیاری اور سمجھ بوجھ اگرچہ پیدائشی صفات ہیں لیکن یہ تجربات کی کثرت عقلمندوں

صحبت عقلا و کسب علوم عقلیہ و استماع قصص و نصائح می افزایند پس باید کہ چناں کوشند کہ ہر روز قوائے عقلیہ قوی کردہ می باشند و خود را بتکلیف از عقلا گردانند و در زمرہ سفہا شمار نشوند۔

کی صحبت اور علوم عقلیہ منطق و فلسفہ حاصل کرنے سے ترقی کر سکتی ہیں۔ اگر آدمی کو چاہیے کہ یہ کوشش کرے کہ اس کے قوائے عقلیہ روز بروز قوی تر ہوتے جائیں اور کوشش اور چٹپٹ سے اپنے کو عقلمندوں میں شامل کرنا چاہیے اور نا سمجھوں اور بدھوؤں کے گروہ میں محسوب ہونے سے بچنا چاہیے۔

شاہ ولی اللہ کے خلیفۂ اعظم

شاہ محمد عاشق پھلتی

شاہ محمد عاشق کے شاہ ولی اللہ سے کئی رشتے اور تعلق تھے۔ وہ شاہ صاحب کے ممیرے بھائی، نسبتی بھائی، سمدھی، رفیق طفلی، شریک درس، شاگرد اور مسترشد و خلیفہ تھے۔

شاہ محمد عاشق کے والد شیخ عبید اللہ تھے جو شاہ ولی اللہ کے خسر تھے، اور دادا شیخ محمد تھے جو شاہ عبدالرحیم کے خسر تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے نانا شیخ محمد کے حالات پر ایک رسالہ العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ لکھا ہے جو ان کی کتاب کے سات ابواب میں سے ایک باب ہے (۶۹ تا ۸۵ انفاس احمدی دھلی)، یہی کتاب شاہ محمد عاشق کے اسلاف کے متعلق ہمارا واحد ماخذ ہے۔ اخلاف کے متعلق ہم اس خاندان کے موجودہ ارکان کی زبانی روایات اور جن کتب ماخذ کی بنا پر جو کچھ بیان کریں گے اس کا برمحل حوالہ دیں گے۔

شاہ محمد عاشق کے اسلاف نسلاً صدیقی تھے اور کسی زمانے میں حجاز سے پنجم کے علاقہ پورب میں بلدۂ سدھور (عله) میں مقیم ہو گئے تھے، ان میں سے ایک بزرگ

عله "سدھور قریۃ من اعمال بارہ بنکی من ارض اودھ" (نزہۃ ثامن ص۵۸)

شیخ احمد بن یوسف[عله] کی رسائی سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے دربار میں ہوئی اور بارہہ کے علاقے میں چند گاؤں جاگیر میں ملے تو یہ خاندان پورب سے نواح دھلی میں منتقل ہو گیا اور پھلت وطن قرار پایا جو ضلع مظفر نگر قصبہ کھتولی کا ایک قریہ ہے۔ اور دھلی سے اس کی مسافت ۷۰ میل ہے۔

شیخ محمد شیخ احمد بن یوسف کے بھائی شیخ محمود کی پانچویں پشت میں شیخ محمد عاقل بن ابی الفضل، بن ابی الفتح بن شیخ فرید بن محمود بن یوسف ایک عالم اور صاحب دل بزرگ تھے، ان کے بڑے صاحب زادے کا نام شیخ محمد تھا، شیخ محمد نے ابتدائی تعلیم پھلت میں حاصل کرنے کے بعد دھلی کا رخ کیا اور شاہ ابوالرضا محمد (ف ۱۱۰۰ھ) سے کچھ دن مستفید ہوئے اور اس کے بعد شاہ عبدالرحیم کے دامن کمال و ارشاد سے وابستہ ہو گئے اور تحصیل علوم اور تربیت باطن سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد ایک طویل سفر پر روانہ ہو گئے اور مختلف و متعدد ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے وطن واپس ہوئے اور درس و ارشاد میں صرف اوقات کرنے لگے ۱۱۲۵ھ میں پھلت میں وفات پائی۔

آپ کی ایک صاحب زادی اور دو صاحب زادے تھے، صاحب زادی کا نام فخر النسا[عله] تھا اور وہ شاہ عبدالرحیم کی دوسری اہلیہ اور شاہ ولی اللہ کی والدہ تھیں۔ شاہ عبدالرحیم نے ایک بشارت کی بنا پر جب ساٹھ سال کی عمر میں دوسری شادی کا ارادہ

عله حکیم انیس احمد صدیقی کا بیان ہے کہ شیخ احمد بن یوسف سکندر لودھی کے استاد تھے۔ حکیم صاحب کا سلسلۂ نسب شیخ احمد ہی سے ملتا ہے: انیس احمد بن علاء الدین بن محمد عمر بن عبدالواسع بن عبدالحکیم بن عبدالغنی بن عبدالمعالی بن صدر جہاں بن بدر عالم بن شیخ محمد بن ابی القاسم بن شیخ احمد۔ شیخ احمد کا سلسلہ نسب ۱۹ واسطوں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تک پہنچتا ہے۔ صدیقی انسٹہ ص۴ لاہور ۱۹۶۹ء

عله شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، دھلی ۱۹۶۹ء خلیق احمد نظامی ص۱۲۵

کیا اور شیخ محمدؒ کو اس بشارت اور ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی بخت جگر کی پیشکش کی اور شاہ صاحب سے ان کا عقد ہو گیا، بشارت کے مطابق ان کے بطن سے شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ھ) اور شاہ اہل اللہ (۱۱۱۹ھ) جیسے نامور اور صاحب کمال فرزند پیدا ہوئے۔

شیخ محمدؒ کے دو صاحب زادے شیخ عبید اللہ اور شیخ حبیب اللہ تھے۔

شیخ عبید اللہ

شیخ محمد کا بیان ہے کہ ایک روز باری تعالیٰ نے ایک شناسا کی شکل میں تجلّی فرمائی جو گویا ایک بچّے کی انگلی پکڑے ہوئے میری طرف آرہا تھا اور میرے قریب آکر فرمایا محمد! میں یہ بچہ تیرے گھر پیدا کرتا ہوں، میں نے عرض کی، بارالہا! تیری مخلوق ہے جس کے گھر میں چاہے پیدا کر۔ اس رویا کے چند دن بعد شیخ عبید اللہ کی ولادت ہوئی، شیخ عبید اللہ نے اپنے والد سے تحصیل علوم کی اور ۱۱۴۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے سفر حجاز کیا تو یہ بھی ان کے ساتھ تھے اور شاہ صاحب نے جن جن شیوخِ حجاز سے استفادہ کیا شیخ عبید اللہ بھی ان کے ساتھ تھے، چنانچہ شیخ ابوطاہر بن شیخ ابراہیم کردی نے شاہ صاحب کو صحیح بخاری کی جو سند ۲۲ رجب ۱۱۴۴ھ کو عطا فرمائی تھی اس میں شیخ عبید اللہ کا بھی نام درج کیا تھا، [1] ۱۱۴۵ھ میں حج و زیارت اور اخذ حدیث کے بعد وطن واپس ہوئے اور سن ۱۱۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ شیخ عبید اللہ کے ایک صاحب زادی فاطمہ [2] اور ایک صاحب زادہ شاہ عاشق تھے۔ فاطمہ سے شاہ ولی اللہ کی شادی ہوئی اور ان سے صرف ایک صاحب زادے شیخ محمدؒ پیدا ہوئے [3]

[1] اتحاف النبیہ بما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ، شاہ ولی اللہ، لاہور ۱۹۶۹ء ص ۱۰/۱۹ [2] خاندانی شجرہ سے ماخوذ [3] ملاحظہ ہو شیخ محمد پر ہمارا مضمون "شاہ ولی اللہ کے ایک گم نام فرزند" (فاران کراچی ۱۹۶۰ء)

شاہ محمد عاشق

شاہ محمد عاشق کے سن ولادت کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملی مگر شاہ ولی اللہ کے متعدد اقوال سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ صاحب سے عمر میں کچھ ہی کم تھے، ابتدائی تعلیم غالباً اپنے والد ہی سے حاصل کی [1] ۱۱۲۸ھ میں شاہ محمد عاشق کی والدہ اور نانی کا انتقال ہو گیا تو غالباً انھیں دہلی بھیج دیا گیا، جہاں شاہ عبد الرحیم کے گھر میں ان کی پھوپی (فخر النساء) اور شاہ ولی اللہ کے گھر میں ان کی بہن فاطمہ تھیں، شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں [2]

روزے در اواخر ایام خود شاہ عبد الرحیم) بایں فقیر و صلاح آثار محمد عاشق بشارت کردہ فرمودند کہ باہم دیگر بسیار دوستی دارند و ایں دوستی سبب ابتہاج و سرور من می شود و سرّ ایں کلمہ من بعد بظہور پیوست کہ ایں عزیز بایں فقیر ارتباط طریقہ پیدا کردہ منتفع شد و امید آنست کہ ایں دوستی مثمر فوائد بسیار باشد۔

شاہ عبد الرحیم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں، ایک بار میری محمد عاشق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان دونوں کی آپس میں بڑی دوستی ہے اور اس دوستی سے مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔" والد مرحوم کی اس بات کا راز بعد میں کھلا، جب محمد عاشق نے خاکسار سے بیعت کی اور نفع حاصل کیا، امید ہے کہ یہ دوستی بہت سے مزید فوائد پر منتج ہوگی۔

یہ بات شاہ عبد الرحیم نے اپنی زندگی کے آخری سال (۱۱۳۱ھ) میں فرمائی تھی تو اس وقت شاہ ولی اللہ ۱۶ سال کے تھے، اس لئے شاہ عاشق کو کم از کم ۱۰/۱۱ سال کا ہونا چاہیے۔ (ورنہ اس سے زیادہ تفاوت عمر کی صورت میں "دوستی بسیار" نہیں ہو سکتی)

[1] الجزء اللطیف ترجمہ العبد الضعیف مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ۱۸۹۶ء [2] بوارق الولایت ص ۱۲۱ (انفاس)

اوران کی والدہ کی رحلت (۱۱۲۸ھ) کو تقریباً دو سال ہوئے تھے اور وہ غالباً تعلیم وتربیت کے سلسلے میں دھلی میں مقیم تھے۔

شاہ عبدالرحیم کے انتقال کے ۱۲ برس بعد، ۱۱۴۳ھ[1] میں جب شاہ ولی اللہ حج وزیارت کے لئے روانہ ہوئے تو شاہ محمد عاشق اوران کے والد شیخ عبیداللہ بھی ہمراہ تھے چنانچہ شیخ ابوطاہر کردی نے روایت حدیث کا جو اجازہ ۲۲ رجب ۱۱۴۴ھ کو لکھ کر دیا اس میں لکھتے ہیں[2]

وكان ختمه بحضرة جماعة من الفضلاء منهم خاله المراقب في الله الشيخ عبيد الله وابن خاله المذكور الفاضل الاديب مرآة كماله وخدين حبيب خصاله الذي لم يزل لسانه بذكر الله الواثق بالصمد الخالق مولانا محمد عاشق صانه من البوائق ووقاه الله على مراتب الكمال وصار عنده كل فائق ـ	صحیح البخاری قرأت وسماعت کا ختم کئی فضلا کے سامنے ہوا جن میں سے ایک شاہ صاحب کے ماموں ...... شیخ عبیداللہ اور شیخ عبیداللہ کے صاحب زادے ...... مولانا محمد عاشق ...... بھی تھے۔
وسمع علي الامم ..... بقراءة ابن خاله الشيخ محمد عاشق ۔	شاہ ولی اللہ نے مجھ سے میرے والد کا ثبت "الامم" سنا ... کتاب کی قرأت ان کے ممیرے بھائی شیخ محمد عاشق نے کی۔

[1] مولوی سید احمد ولی اللّٰہی نے تاریخ سفر ۸ ربیع الثانی لکھی ہے (دیکھئے انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ)

[2] اتحاف النبیہ ص ۱۹)

اجزت لسيدنا الشيخ ولي الله المذكور ..... وبخاله وابن خاله المجد في اعلى المستور	میں نے شیخ ولی اللہ، ان کے ماموں اور ممیرے بھائی کو روایت حدیث کی اجازت دی۔

اخذ فیض، حصول اجازت اور ادائے فریضۂ حج سے فراغت کے بعد یہ کاروان فضل و تقویٰ دیارِ نبیؐ سے رخصت ہوا اور ۱۴ رجب سن ۱۱۴۵ھ کو دھلی پہنچا[1]

شاہ محمد عاشق کا وصال، ۱۱۸۷ھ میں ہوا[2]، مزار پھلت میں ایک احاطہ میں ہے جو پھلت میں بڑی خانقاہ اور "خانقاہ شاہ محمد عاشقؒ" کے نام سے معروف ہے۔ اس میں چار مزارات ہیں۔ (۱) ایک شاہ محمد عاشق کا۔ (۲) شاہ محمد فائق کا۔ (۳) شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا، چوتھے مزار کی تحقیق نہ ہوسکی۔

اخلاف

شاہ محمد عاشق کے تین فرزند تھے، عبدالرحمٰن، محمد فائق، ثناء اللہ

عبدالرحمٰن

شاہ عبدالرحمٰن غالباً سب سے بڑے صاحب زادے تھے خیال ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے علاوہ شاہ ولی اللہ سے بھی تحصیل علم کی ہوگی۔ شاہ ولی اللہ اپنے ایک عربی مکتوب بنام شاہ محمد عاشق میں تحریر فرماتے ہیں[3]

وقد وصل الولد العزيز عبد الرحمن مع اولاده بالخير والعافية وقد تلقيناه تلقيا حسنا وقرء علي من كتاب فوز الكبير شيئا وعسى ان يقيما	اور عزیزی عبدالرحمٰن اور ان کے اہل عیال پھلت سے دھلی بخیر و عافیت پہنچ گئے ہیں اور ہم نے ان کی اچھی طرح

[1] الجزء اللطیف ص ۱۹۲ [2] مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام شاہ ابوسعید بریلوی، بکتوبات المعارف مطبع انوار العلوم سال ۱۳۱۰ھ [3] حیات ولی اللہ، مطبع دھلی سن ۱۳۱۹ھ

نعلي هذا النمط حتى نختم ان شاء الله تعالى۔	ملاقات ہوئی ہے اور انھوں مجھ سے الفوز الکبیر کا کچھ حصہ پڑھ لیا ہے۔ اور امید ہے کہ اسی طرح یہ کتاب پڑھ کر انشاء اللہ ختم کرلیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحمٰن اس وقت تعلیم سے فارغ اور صاحب اہل و عیال ہوگئے تھے۔ اور ملاقات کے لئے شاہ صاحب کے پاس پہنچے تو انھوں نے الفوز الکبیر جو اس زمانے میں تالیف کی تھی پڑھانی شروع کردی۔

شاہ عبدالرحمٰن کا ایک اہم کارنامہ شاہ ولی اللہ کے مکاتیب کی جمع و تدوین ہے۔ یہ مجموعہ انھوں نے شاہ ولی اللہ کی حیات ہی میں مرتب کرلیا تھا جو ۲۸۱ مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ان کی وفات کے بعد ان کے والد شاہ محمد عاشق نے مرتب کیا تھا جس ۶۹ مکاتیب ہیں، کل ۳۵۰ مکاتیب دو الگ حصوں میں ہیں۔ جن میں سے سیاسی نوعیت کے مکاتیب جناب خلیق احمد نظامی نے شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکاتیب" کے عنوان سے شائع کردیئے ہیں جس کی تازہ اشاعت ۱۹۶۹ء ہمارے پیش نظر ہے۔

شاہ عبدالرحمٰن کا نو عمری ہی میں شاہ ولی اللہ کے وصال سے ۶/۷ سال سے قبل ۱۱۷۰ھ میں وصال ہوگیا[1] شاہ ولی اللہ کو اس حادثہ کی خبر ملی تو انھوں نے شاہ محمد عاشق کو تعزیت نامے میں تحریر فرمایا: "خبر وحشت اثر رسید ندانم کہ در برابر آں چہ نویسم زیرا کہ حادثہ واقع شدہ است کہ در عالم بشریت حادثہ شدید تر ازاں نمی باشد"

[1] خلیق احمد نظامی، سیاسی مکتوبات ۔ ص۲۵

ص۲۵ سیاسی مکتوبات۔

ہمارے پیش نظر شاہ محمد عاشق کے اخلاف کا جو قلمی شجرہ ہے اس میں شاہ عبدالرحمٰن کے بیٹے، پوتے اور پڑپوتے کے نام بترتیب ابوالفضل، ابوالفرح اور ابوالفتح لکھے ہوئے ہیں۔

شاہ محمد فائق

شاہ محمد عاشق کے دوسرے فرزند شاہ محمد فائق تھے، شاہ عبدالرحمٰن کے وصال کی وجہ شاہ محمد عاشق ان کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے، یہاں تک کہ سفر میں بھی یہ ساتھ ہی ہوتے تھے، چنانچہ شاہ محمد عاشق کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ سے ملاقات کے لئے دہلی آئے تھے اور شاہ محمد فائق بھی ان کے ساتھ تھے، اسی طرح شاہ ولی اللہ اپنے مرض الموت میں پھلت تشریف لے گئے تھے اور وفات سے چند روز قبل جب وہ دہلی لے گئے تو پھلت کے جو اعزہ ان کے ساتھ آئے تھے ان میں شاہ اہل اللہ، شیخ محمد (شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحب زادے) شاہ محمد عاشق اور شاہ محمد فائق بھی تھے۔

شاہ محمد فائق کا عقد اپنے پھوپھا شاہ ولی اللہ کی صاحب زادی امۃ العزیز سے ہوا تھا۔[1]

امۃ العزیز

شاہ ولی اللہ کی ان صاحب زادی کی تاریخ ولادت اگرچہ کہیں نظر سے نہیں گزری مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کی وفات سے دو سال قبل سن ۱۱۴۷ھ میں پیدا ہوئی تھیں، یہ صاحب زادی جیسا کہ عبدالرحیم ضیا نے مقالات

[1] مقالات طریقت — از عبدالرحیم ضیا

طریقت میں لکھا ہے کہ شاہ صاحب کی دوسری اہلیہ سے تھیں، شاہ صاحب کی دوسری شادی ۱۱۵۵ھ میں ہوئی تھی، شادی کے دو سال بعد ۱۱۵۹ھ میں شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے اور پھر چار سال کے فاصلے سے ۱۱۶۳ھ میں شاہ رفیع الدین، ۱۱۶۷ھ میں شاہ عبدالقادر اور ۱۱۷۱ھ میں شاہ عبدالغنی پیدا ہوئے، اس لئے ہمارا خیال یہ ہے ۱۱۷۱ — ۴ — ۱۱۷۴ھ میں امۃ العزیز پیدا ہوئی ہوں گی۔

خاندانی روایت یہ ہے کہ امۃ العزیز کا عرف "مسیتی" تھا، یہ قرین قیاس بھی ہے اس لئے کہ شاہ عبدالعزیز کا عرف "مسیتا" تھا، خود ان کا بیان ہے کہ عله

"بندہ را عورات مسیتا می گفتند"

مسیتا اور مسیتی، مسیت سے مشتق ہیں اور مسیت، مسجد کا عوامی تلفظ ہے، جن لوگوں کے بچے بچتے نہیں ہیں، وہ اپنے نومولود کو مسجد کی نذر کر دیتے ہیں، یہی شاہ صاحب کے یہاں ہوا، شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں عله:

چوں والدین را کودک بسیار مردہ بودند مگر برائے من آرزو بکمال بود دراں ہنگام بزرگان بسیار دا اولیاً بسیار از یاران والد ماجد مثل شاہ محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد بودند پس مارا غسل دادہ در محراب انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگان

چونکہ والدین کے بہت سے بچے پیدا ہو کر مر چکے تھے، اس لئے میری ولادت کی بڑی آرزو تھی (میری ولادت کے وقت) میرے والد ماجد کے احباب میں سے بہت سے بزرگ اور نیک حضرات مسجد میں معتکف تھے جب میں پیدا ہوا تو مجھے نہلا کر مسجد کے محراب میں ڈال

عله وعله ملفوظات عزیزی صفحہ ۱

را قبول کردہ از طرف خدا انعام بردند۔

دیا گیا تو گویا خدا کی نذر کر دیا گیا، پھر ان بزرگوں نے محراب سے اٹھا کر اور اللہ کی طرف سے قبول کر کے میرے والدین کو بخش دیا۔

عین ممکن ہے کہ یہی صورت صاحب زادی کی ولادت کے وقت ہوئی ہو کہ چوں کہ اب تک کوئی لڑکی نہیں ہوئی تھی، اس لیے منّت مانی گئی ہو کہ اگر لڑکی ہوئی تو ہم مسجد کی نذر کریں گے، اور جب لڑکی ہوئی تو اس کو بھی خانۂ خدا میں لے جا کر خدا کی نذر کیا گیا اور پھر خدا کی طرف سے واپس قبول کر لیا گیا اور مسیتی نام رکھ دیا گیا۔

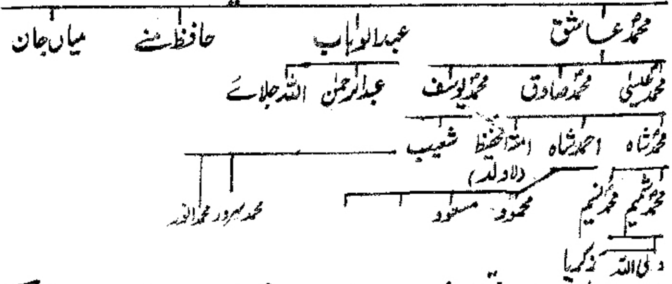
شاہ محمد فائق کا سنِ رحلت معلوم نہ ہو سکا مگر ان کی سالانہ فاتحہ ۶ ذی قعدہ کو کی جاتی ہے۔ مزار پھلت کی خاندانی درگاہ میں اپنے والد کے مزار کے برابر ہے۔

اولاد خاندانی روایت یہ ہے کہ شاہ محمد فائق کے تین لڑکے ہوئے محمد معصوم، محمد صادق اور عبدالسلام، محمد معصوم اور محمد صادق لاولد رہے۔ البتہ شاہ عبدالسلام کا سلسلہ چلا۔ شاہ عبدالسلام کا قیام اپنے ننہال خانقاہ عزیزیہ دھلی ہی میں رہا اور وہیں وصال بھی ہوا، مزار بھی مہندیاں میں ہے۔ عله

شاہ عبدالسلام کے ایک صاحب زادے شاہ محمد زکریا تھے، جن کی شادی مولینا نواب قطب الدین خاں دھلوی کی بہن بادشاہ بیگم سے ہوئی تھی، شاہ زکریا کے اخلاف کا شجرہ:

عله واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم از بشیر الدین احمد آگرہ ۱۹۱۹ء صفحہ ۵

شاہ محمد زکریا



ثناء اللہ | خاندانی قلمی شجرے میں شاہ محمد عاشق کے ایک تیسرے فرزند ثناء اللہ کا نام بھی ہے اور ان کے بیٹے، پوتی اور پڑپوتی کے نام علی الترتیب عثمان، امۃ اللہ اور رقیہ درج ہیں۔

تلامذہ و مریدین | شاہ ولی اللہ نے اپنے پیش نظر عظیم مقاصد کی خاطر بڑی منصوبہ بندی کی تھی، انھوں نے ابتداءً درس پر توجہ دی اور محنت کر کے مختلف فنون کے متخصص علما، ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو ان کی اعانت اور نیابت کر سکے، اور اس کے بعد تدریس کے فرائض اس جماعت کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

شاہ محمد عاشق اس جماعت کی جان اور گروہ کے سب سے ممتاز فرد تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ کی بہترین تربیتی صلاحیتوں سے متمتع ہوئے بلکہ اساتذۂ وقت سے استفادہ میں ان کے رفیق بھی رہے تھے چنانچہ وہ پھلت اور دہلی میں درس و افادہ کے فرائض انجام دیتے رہتے تھے۔ ان کے سب سے ممتاز شاگرد تو شاہ ولی اللہ کے پانچوں فرزندان گرامی ہی تھے، سب سے بڑے صاحبزادے شیخ محمد جو اپنی ننہال

ہی میں سکونت پذیر تھے، یقیناً شاہ محمد عاشق کے زیر درس و تربیت رہے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کو سب سے زیادہ اعتماد اسی بات پر ہو گا کہ پھلت میں شیخ محمد کے حقیقی ماموں شاہ محمد عاشق ہیں پھر جب ۵۲ سال کی عمر میں ان کے یہاں شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان کی تعلیم کے ابتدائی مراحل بھی شاہ محمد عاشق ہی نے طے کرائے ہوں گے [1]، متوسطات کی تعلیم شاہ ولی اللہ نے ہی دی لیکن تعلیم کی تکمیل سے قبل ہی جب باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو فاتحۂ فراغ انھوں نے شاہ محمد عاشق سے ہی پڑھا اور اجازت بھی انہی سے لی [2]۔ شاہ رفیع الدین نے جو والد کی وفات کے وقت ۱۳ سال کے تھے، اور میبذی پڑھتے تھے اور شاہ عبدالقادر نو سال کے اور صرف میر پڑھتے تھے، شاہ عبدالغنی جو ۵ سال کے تھے اور قرآن کریم حفظ کرتے تھے شاہ محمد عاشق سے درسیات پڑھیں [3]۔ خود ان کے فرزندان گرامی نے ان سے پڑھا ہو گا، پھلت کے کئی گم نام علما ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوں گے۔

ان حضرات کے ساتھ قاعدے کے مطابق طلبہ کی ایک جماعت ہوتی ہو گی اگرچہ ان میں سے کسی کے نام کا علم نہ ہو سکا۔

ان کے شغلِ درس کا ایک اور ثبوت شاہ عبدالعزیز کا یہ بیان ہے کہ وہ ایک روز [4]

---

[1] شاہ ولی اللہ نے اپنے خلفا میں سے ایک نہایت متقی اور قابل شخص کے ہاتھ میں آپ کی خدمت تعلیم سپرد کی جس نے نہایت قابلیت اور دلسوزی سے اس خدمت کو ادا کیا اور محمدی جان کاہی سے تعلیم دی تقریباً دس سال کے عرصے میں آپ نے عربی کے مختلف فنون میں بلا کی حیرت انگیز ترقی کی ...... ان علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ کی درسگاہ میں جانے لگے ص ۲۲۲ حیات ولی۔ [2] مجالۃ النافعہ رسالہ فوائد جامعہ از مولانا عبدالحلیم چشتی کراچی (۲) ۲۴ ص ۱ د مقالات طریقت ص ۔ [3] مقالات طریقت عبدالرحیم ضیا حیدرآباد دکن تالیف ۱۲۹۱ھ طبع ۱۲۹۷ھ ص ۲۵۔ [4] ملفوظات عزیزی ص ۱۳ مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ۔

شاگردے را بجمال وقت می خوانیدند و نسبت درعین اشتغال ملاحظہ کردم درغایت جوشش بود۔

ایک شاگرد کو بڑی توجہ سے پڑھا رہے تھے مگر میں نے محسوس کیا کہ اس درس کی عین مشغولیت کے دوران بھی نسبت پوری طرح جوش میں تھی۔

تدریس کے ساتھ ساتھ وہ ارشاد و تزکیۂ باطن کے فرائض بھی انجام دیتے ہوں گے، وہ شاہ ولی اللہ کے اجل خلفاؑ تھے، خود شاہ صاحب کی حیات میں اپنے نواح کے طالبانِ تربیت کی طرف توجہ فرماتے ہوں گے، پھر ان کے فضل و کمال اور زہد و تقویٰ کا شہرہ دُور دور پہنچا ہوگا۔ اس لئے دور دور سے احتیاج مندان کی طرف رجوع کرتے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کے وصال کے بعد خصوصاً شاہ عبدالعزیز کی نوعمری تک شاہ صاحب کے متوسلین بھی انہی کی طرف رجوع کرنے لگے ہوں گے۔

چنانچہ تکیہ رائے بریلی کے میر ابوسعید نے انہی سے اجازت و خلافت حاصل کی تھی، ہم کسی جگہ شاہ عاشق صاحب کی وہ تحریر نقل کریں گے جو انھوں نے میر ابوسعید کو بطور اجازہ لکھ کر دی تھی، اسی طرح خود شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین کے متعلق عبد الرحیم ضیا نے لکھا ہے کہ انھوں نے شاہ محمد عاشق سے ہی بیعت کی تھی، ہاں شاہ عبد القادر شاہ عبدالعدل دہلوی سے بیعت تھے۔ البتہ شاہ عبدالغنی ممکن ہے نہ ہوئے ہوں اس لئے کہ ان کے بلوغ تک شاہ عبدالعزیز بھی عمر کی اس منزل میں آگئے تھے کہ ان سے بھی رجوع کیا جاسکتا تھا۔

تصانیف

قول جلی | شاہ محمد عاشق کی تالیفات میں سرفہرست ان کی حیات شاہ ولی اللہ

ہے جو نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ ہمیشہ کی ایک عظیم شخصیت کی سوانح ہے اور اس موضوع پر اولین ماخذ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ کتاب اس فرد کی تالیف ہے جو شاہ صاحب کے کمالات و فضائل کا وارث اور امین تھا، ان کی زندگی کا ہر دور جس کی نظر میں تھا، ان کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر جس کی نظر سب سے زیادہ وسیع تھی، جو ان کی تجویزوں، آرزوؤں، حسرتوں اور ان کہی تمناؤں کا راز داں تھا۔ جو ان کی بیشتر تالیفات کا "سبب تالیف" تھا۔ اور ان کی اکثر تحریروں کا اولین مخاطب،

کتاب کا نام "قول الجلی و اسرار الخفی" ہے اور یہ خود شاہ کی حیات میں مرتب کرلی گئی تھی، چنانچہ خود شاہ نے الجزء اللطیف میں اس کتاب کے مندرجات کی تصویب و تصدیق اس طرح کی ہے۔ ؎

والدین و جماعت از صلحا بشرات بسیار در حق این فقیر قبل ولادت و بعد ازاں دیدند چنانچہ بعض اعزا اخوان اجلہ فلاں تفصیل آں واقعات یا وقائع دیگر در رسالہ مضبوط نمودہ اند و آں را "قول جلی" مسمیٰ کردہ اند جزاہ اللہ خیر الجزا و احسن الیہ و الی اسلافہ و اعقابہ و ادخلہ الی ما تمناہ من دینہ و دنیاہ

میرے سلسلے میں والدین اور کئی صلحا نے، میری ولادت سے قبل اور بعد جو بہت سی بشارتیں پائی تھیں، ایک عزیز بھائی اور محترم دوست نے ان بشارتوں اور دوسرے حالاتِ زندگی کو ایک رسالے میں قلم بند کر دیا ہے اور اس کا نام قولِ جلی رکھا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں بہتر جزا دے اور ان کے بزرگوں اور اخلاف کے

؎ الجزء اللطیف (مکمل انفاس العارفین)

ساتھ اچھا معاملہ فرمائے اور ان کی دین و
دنیا کی خواہشوں کو پورا کرے۔

شاہ ولی اللہ کے علوم و سوانح پر اتنی اہم دستاویز عرصہ سے نایاب تھی۔ نواب صدیق حسن خاں اور مولوی رحمان علی صاحب تذکرۂ علمائے ہند کے پیش نظر رہی تھی اور کسی مورخ نے کبھی اس کے مطالعہ کا ذکر نہیں کیا۔ اب جناب خلیق احمد نظامی نے یہ مژدہ سنایا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب دریافت کرلی ہے۔ خانقاہ کاکوری میں موجود ہے، نظامی صاحب نے یہ بشارت بھی دی ہے کہ وہ اس کتاب کو شائع بھی فرمائیں گے۔

یہ کتاب ۹۴ صفحات پر محیط ہے ہر صفحہ میں [illegible] سطور اور ہر سطر میں ۱۷/۲۰ الفاظ ہیں مخطوطہ ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء کا لکھا ہوا ہے۔

نظامی صاحب نے شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات کی اشاعت تازہ (۱۹۶۹ء) میں اس کے کافی طویل اور معلومات افزا اقتباسات بھی دیے ہیں اور یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ شاہ محمد عاشق نے شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد اس میں ایک باب کا اضافہ بھی کیا تھا۔

تقریر خیر کثیر | شاہ ولی اللہ کی معروف تصنیف الخیر الکثیر پر شاہ محمد عاشق نے ایک حاشیہ لکھا تھا جس کے خطبہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شاہ صاحب نے انھیں پڑھائی تھی اور دوران درس میں جو تفصیل و تشریح حضرت مصنف فرماتے تھے میں اس کو لکھتا جاتا تھا، بعد میں یہی مجموعہ تقریرات مرتب کر کے کتاب کا حاشیہ قرار دیا۔ یہ حاشیہ [illegible] کے نام [illegible] صفحات [illegible]

عله فہرست کتب خانہ ندوۃ العلماء [illegible]

شرح دعاء الاعتصام | شاہ ولی اللہ کی متعدد گم شدہ تالیفات کی طرح ان کی ایک کتاب "دعاء الاعتصام" بھی ہے۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ عله

"والد بزرگ فقیر دعاء موسوم اعتصام تصنیف نمودہ اند بزبان عربی"۔

اس کتاب کی شرح شاہ محمد عاشق نے لکھی تھی، افسوس کہ یہ کتاب بھی نایاب ہے، شاہ عبدالعزیز ہی کے ایک قول سے اس کے وجود کا علم اور اس کے مندرجات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مرزا حسن علی لکھنوی نے شاہ صاحب سے پوچھا اہل سنت کا مذہب تو یہ ہے کہ غیر انبیا معصوم نہیں ہوتے، مگر شاہ ولی اللہ نے تفہیمات الٰہیہ میں اور آپ نے ایک رسالے میں صفات اربعہ (حکمت، عفت، وجاہت اور قطبیت باطنہ) کا اطلاق ائمہ اثنا عشر پر کیا ہے، اس تخالف کی کیا توجیہ ہے، اس کے جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صفات : عله۲

نزد صوفیہ معانی اصطلاحیہ دارند
خصوصاً در کتب مصنفۂ حضرت والد
ماجد قدس سرہٗ مفصل مذکور اند . . . . .
و شرح اعتصام از تصانیف شاہ محمد
عاشق پھلتی قدس اللہ سرہٗ اگر بہم رسد
وافی و کافی ست

صوفیہ کے یہاں اصطلاحی معنے رکھتے
ہیں خاص طور پر والد ماجد قدس سرہٗ کی
تصانیف میں بتفصیل ان کا ذکر ہے . . . .
اور شرح اعتصام جو شاہ محمد عاشق قدس اللہ
کی کتابوں میں سے ہے، اگر مل جائے
تو اس موضوع پر وافی و کافی ہے۔

شاہ صاحب کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصطلاحات صوفیہ کے معانی و مفاہیم پر بھی اس کتاب میں عالمانہ و محققانہ گفتگو کی گئی ہے۔

عله فتاوی عزیزی ج۱ ص۱۸۱ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ ع۲ ایضاً ص۱۸۱

اس کتاب پر شاہ ولی اللہ نے ایک منظوم تقریظ لکھی تھی، جسے صاحب نزہۃ الخواطر نے نقل کیا ہے عله

لیہنک ما اوتیت ذروۃ حقہ ... من الفحص والتفتیش والفہم والفکر

وبحثک عن طی العلوم ونشرھا ... ونظمک اصناف الجواہر والدرر

وحفظک للرمز الخفی مکانہ ... وخوضک بحر اذا خر ایما بحر

فللّٰہ ما اوتیت من حل المنی ... وللّٰہ ما اعطیت من عظم الفخر

سبیل الرشاد یہ کتاب بھی افسوس ہے کہ نہ ہماری نظر سے گزری اور نہ اس کے مخطوطات ہی کا علم ہو سکا کہ کہاں کہاں ہیں؟ اس کا تفصیلی ذکر بھی حسنِ اتفاق سے شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے، ایک صاحب نے درود اور سید الاستغفار کے متعلق دریافت کیا تھا، اس کے جواب میں سید الاستغفار کے سلسلے میں لکھتے ہیں عله:

سید الاستغفار در کتاب سبیل الرشاد مذکور است وتمام آں جواہر نفیسہ است ... وآں کتاب گویا خلاصہ سلوک طریقہ خاندان ماست خصوصاً فوائد سلوکیہ از حضرت والا بسوئے طالبان ومریدان فیضان نمود، درآں مجموعہ

سید الاستغفار کتاب سبیل الرشاد میں مذکور ہے اور پوری کتاب میں نفیس جواہر ہیں ... اور یہ کتاب گویا ہمارے خاندان کے سلوک طریقت کا خلاصہ ہے۔ خصوصاً سلوک کے جو فوائد میرے والد نے طالبان طریقت اور مریدین

عله نزہۃ الخواطر الجزء السادس ص ۳۲۹ - عله ویسے شیخ محسن ترہتی نے بھی یانع الجنی میں لکھا ہے کہ سلوک میں ان کی مشہور کتاب ہے ص ۹۲ عله فتاوی عزیزی ص ۱۸۲ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

مندرج ست حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ کہ اجل خلفاء حضرت والدم بودند آں را تالیف فرمودہ اند بقدر شش جزو باشد

کو بتائے تھے اس مجموعہ میں درج ہیں حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ نے جو والد بزرگوار کے سب سے بڑے خلیفہ تھے یہ کتاب لکھی ہے، چھ جز کے قریب ضخامت ہے۔

پیر مرتضیٰ خاں رام پوری (خلیفہ سید احمد شہید) نے اپنی کتاب عله دافع الفساد ونافع العباد کے مقدمہ میں اپنے ماخذ میں سبیل الرشاد کا بھی نام لکھا ہے (ص ۲) اور تین مقامات پر ایک ہی عبارت کا اردو ترجمہ دیا ہے (ص ۵۹، ص ۶۳، و ص ۴۷)۔ چونکہ اس کتاب کا کوئی اقتباس یا اس کا ترجمہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا اس لئے تبرکاً یہ ترجمہ نقل کرتے ہیں:

> "شیخ محمد عاشق پھلتی رح کہ خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے تھے اپنے رسالہ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں:— جو کوئی شخص یا اللہ یا اللہ یا اللہ اپنی زبان سے پڑھے اور ملاحظہ کرے پڑھنے کے وقت میں کہ ایک نور اس کے مونھ سے باہر آتا ہے یعنی پڑھنے والے کے، جب قریب تین لاکھ کے پورا کرے اس شخص کے تئیں ایک مناسبت ساتھ حقیقت اس اسم کی کہ بیچ عالم ملکوت کی جگہ پکڑنے والی ہے ظاہر ہوتی ہے"

عله مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک ۱۲۸۴ھ

شیخ محمد محدث تھانوی اپنی کتاب ارشاد محمدی علیہ میں درود شریف اللھم صل علی من منہ انشقت الاسرار کے ورد کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا ورد کرنا بہت فائدہ رکھتا ہے، خصوصاً پڑھنا صبح و شام، ادنیٰ مرتبہ تین تین بار صبح و شام اور پچھلے کو، حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی علیہ الرحمۃ نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے اور فقیر کا مجرب ہے۔"[1]

مکتوبات شاہ ولی اللہ

شاہ محمد عاشق کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے جہاں شاہ صاحب کی دوسری تحریریں محفوظ کیں وہاں ان کے مکاتیب جو خواہ وہ سیاسی نوعیت کے ہوں خواہ ذاتی یا علمی محفوظ کرنے کا اہتمام کیا، یہ کام انھوں نے شاہ صاحب کی زندگی ہی میں شروع کر دیا تھا۔ ابتداءً یہ کام ان کے صاحب زادے شاہ عبدالرحمن کے سپرد تھا جنھوں نے اپنی وفات ۱۱۶۸ھ تک مکاتیب شاہ کی جمع و ترتیب کی اور ۱۸۱ مکاتیب جمع کر دئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق نے یہ کام خود سنبھالا اور مزید ۷۷ خطوط جمع کر کے ۲۵۸ مکاتیب کا ایک قیمتی مجموعہ مرتب کر دیا۔ اس مقصد کے لئے آپ نے ممکن ہے کہ شاہ صاحب سے بھی مکاتیب کی نقول حاصل کی ہوں اور مکتوب الیہم سے بھی، چنانچہ شاہ ابو سعید رائے بریلوی کے نام ایک خط کا اختتام اس طرح کرتے ہیں۔[2]

دیگر التماس آں کہ خطے کہ حضرت میاں صاحب بایشاں نوشتند نقل آں برداشتہ بایں فقیر عنایت فرمایند وہم چنیں نقل خطوط سابقہ نیز مرحمت فرمایند دریں باب ہرگز تغافل تجویز نہ نمایند۔

ایک اور گزارش یہ ہے کہ حضرت میاں صاحب نے جو خط آپ کو لکھا ہے اس کی نقل کر کے مجھے بھیج دیں اسی طرح سابقہ خطوں کی نقلیں بھی بھیجیں اور اس بارے میں غفلت کو ہرگز روا نہ رکھیں۔

[1] ص۱۵ مطبوعہ محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ - [2] مکتوبات المعارف

شاہ ابوسعید اس فرمائش کے جواب میں کچھ عرصہ بعد شاہ ولی اللہ کے مکاتیب لے کر پھلت پہنچے اس وقت شاہ ولی اللہ کا وصال ہو چکا تھا اور شاہ محمد عاشق دہلی آئے ہوئے تھے۔ شاہ ابوسعید نے انھیں اپنے پھلت پہنچنے کی اور مکاتیب ساتھ لانے کی اطلاع دہلی بھیجی تو اس کے جواب میں کس مسرت و ممنونیت کے ساتھ لکھتے ہیں:

واز مژدہ آں کہ مکاتیب فیض اسالیب حضرت قبلہ ام رضی اللہ عنہ ہمراہ شریف آوردہ اند بغایت شادی رو داد شکر ایں عنایت بکدام زباں نمودہ آید کہ از احصار خارج ست، زیادہ بجز التماس ایں کہ بخاطر جمع درآں جا تشریف دارند ایں فقیر زود می رسد

اور اس خوش خبری سے کہ آپ اپنے ساتھ میرے حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے مکاتیب بھی لیتے آئے ہیں، بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اس عنایت کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے جو بے حساب ہے اور کیا لکھوں آپ اطمینان سے پھلت میں تشریف رکھیں میں بہت جلد پہنچ رہا ہوں۔

یہ مجموعہ مکاتیب مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کے کتب خانے میں ہے ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اس میں سے سیاسی نوعیت کے ۴۲ مکاتیب جناب خلیق احمد نظامی

نے "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" کے نام سے شائع کر دیئے ہیں، خدا کرے بقیہ مکاتیب بھی جلد شائع ہو جائیں، جناب نظامی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ان غیر سیاسی مکاتیب کے جو اقتباسات دیئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی حیات کے سلسلے میں بھی یہ خطوط بڑے معلومات افزا ہیں۔

متفرق تحریریں

مقدمہ خیر کثیر

شاہ ولی اللہ کی معروف کتاب الخیر الکثیر کا جو مخطوطہ ہمارے کتب خانے (برکات اکادمی کراچی) میں ہے اس کے آغاز میں شاہ محمد عاشق کا ایک مقدمہ ہے جو مختلف اعتبارات سے بہت اہم ہے۔

اولاً شاہ محمد عاشق کی تحریریں ہی نایاب ہیں۔ ان کی کسی کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب بھی نہ صرف یہ کہ مطبوعہ نہیں ہے بلکہ ان کے مخطوطات بھی کم یاب ہیں۔ اس لئے یہ تحریر ہمارے لئے تبرک کی حیثیت رکھتی ہے۔

ثانیاً اس تحریر سے شاہ ولی اللہ کی ذات سے ان کی شیفتگی اور ادبیاتِ شاہ سے ان کے شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

ثالثاً شاہ صاحب کی بعض تالیفات کے عہد تالیف کا تعین ہوتا ہے۔

رابعاً اس تحریر سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے تحریری کارناموں کے سرانجام پانے میں شاہ محمد عاشق کا کتنا ہاتھ تھا اور ان کا تعاون شاہ صاحب کو حاصل نہ ہوتا تو ادبیاتِ شاہ اس شکل میں شاید ہمارے سامنے

۔ ہوتے۔

ذیل میں متن کو طوالت کے خوف سے حذف کر کے اس کا آزاد ترجمہ ۔ خلاصہ پیش کرتے ہیں:

حمد و نعت کے بعد ــــــ اللہ تعالیٰ جب کسی فرد کامل کو اپنے علوم و سرار کی مظہریت کے لئے منتخب فرماتا ہے تو اس فرد سے ان علوم و اسرار کا ظہور ۔ سوم رسمیہ کسبیہ کے طرز پر نہیں ہوتا بلکہ وہ علوم حسب واردات و تقریبات بروز ۔تے ہیں کبھی مخاطبت کے اسلوب میں کبھی عربی میں کبھی فارسی میں، کبھی رمز و اشارت ۔ں کبھی بسط و تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک اصطلاح میں کبھی دوسری اصطلاح ۔یں، ایک ہی مطلب و معنی کی ایک ہی روپ میں تکرار ہوتی ہے کبھی روپ بدل ۔یا جاتا ہے، اس لئے ان علوم و اسرار سے استفادہ اور استفاضہ کے آداب یہ ۔یں کہ جن اوضاع و اسالیب میں ان کا صدور و ظہور ہوا ہے، ان نفحات ۔ہیہ اور وارداتِ غیبیہ سے تعرض اس وضع و شکل میں کیا جائے اور بغیر کسی تصرف ۔کے ان کی حفاظت کی جائے، اس دور میں اس مقام (کاملیت) پر فائز ...
۔شیخ ولی اللہ کی ذات والا ہے، سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آپ کو "زکی" اور "حکیم ۔ۃ الامت" خطاب مرحمت فرمایا اور آپ کے علوم و اسرار درحقیقت آں حضرت ۔لی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اسرار ہیں اور ان کی محافظت، ارشاد گرامی نضر اللہ ۔مرأ اسمع مقالتی فوعاھا ثم ادّاھا کما سمعھا کی بشارت میں شمول کا ۔باعث ہے، اس کمترین خاک بوسانِ آستانہ ولیہ احمدیہ فقیر محمد عاشق ملقب ۔بعلی ابن شیخ عبید اللہ باہری پھلتی پر اللہ تعالیٰ کے انعامات والطاف میں

سے ایک یہ ہے، جسے صرف تحدیث نعمت کے لئے لکھتا ہوں بد شعور سے میرے دل میں شاہ صاحب کی عقیدت راسخ کر دی گئی اور ظہور اسرار کے آغاز سے مجھے تخصیص خطاب کا شرف عنایت ہوا چنانچہ حضوری میں مکالمہ کے اور دوری میں مراسلہ کے وسیلہ سے خطاب سے مشرف ہوتا رہا یہاں تک کہ اگر میں اس بات کی قسم کھاؤں تو انشاء اللہ حانث نہیں ہوں گا کہ آپ کے جس قدر علوم و اسرار کا خصوصاً تصوف کے باب میں ظہور ہوا ہے وہ میرے لئے ہوا ہے اور مجھ سے خطاب و گفتگو میں ہوا ہے، ان میں سے اکثر معارف ایسے ہیں جن میں اس خاکسار کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے اور کسی تحریر کا مخاطب اگرچہ بظاہر دوسرا بھی ہے مگر جیسا کہ آپ ہی کا عربی شعر ہے

دانی وان خاطبت الف مخاطب — میرا روئے سخن چاہے ایک ہزار کی طرف ہو
فانت الذی اعنی وانت المخاطب — مگر اصل مقصود و مخاطب تم ہی ہوتے ہو

اس تخصیص سعادت کے پیشِ نظر مجھے ان کلمات کی توفیق ہوئی، چنانچہ یہ معارف و علوم

اگر کتب و رسائل کے مسودات کی شکل میں تھے تو انھیں مبیض کیا۔

رقعات و مکاتیب کی شکل میں اور متفرق و منتشر تھے تو انھیں مدون کیا اور مستقل رسائل کی شکل دی۔

تقاریر مجالس کو قلمبند اور شیرازہ بند کیا۔

افاضات باطنی جو بے قید تحریر و خطاب میرے آئینہ قلب پر منعکس ہوئے تھے انھیں عربی یا فارسی میں قلم بند کر کے تصویب کے بعد مدوّن و ضبط کیا۔

مختصر یہ کہ الحمد للہ ایک کلمہ بھی حتی المقدور ضائع نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ آپ ہی نہیں آپ کے بعض اصحاب کے احوال و اقوال بھی جتنے ہو سکے جمع کر لئے اور اس مہم میں ایک عمر صرف کر دی اور بحمد اللہ اس جمع و تالیف میں قضائے شوق کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا۔

اب ۱۱۶۱ھ میں یہ ارادہ کیا ہے کہ تصوف پر ان تمام رسالوں کو ایک جلد میں جمع کر کے ایک کلیات مرتب کر دوں۔

اس عزم کی تکمیل سے قبل مندرجۂ بالا سطور جب آں مخترم کی نظر سے گذریں تو غایت انشراح و انبساط خاطر کے عالم میں، بڑے اہتزاز کے ساتھ بندہ نوازی فرمائی اور حسب ذیل کلمات تحریر فرما کر مجھے اعزاز و امتیاز کا شرف بخشا۔

منکم بدء الامر وثنیا وھذا — تمھیں سے آغاز و انجام ہے، اس کام
منکم بدء کلا والیکم یعود وتلک — کی ابتدا بھی تم نے کی ہے اور انتہا بھی
کنتم احق بھا واھلھا وحق — تم پر ہوگی، ان کے تم ہی سب سے
رب المعبود — سوا مستحق اور اہل ہو، بخدا،

خدایا! تو ہی جانتا ہے کہ میں اس بے اندازہ نعمت کے شکر کی استطاعت نہیں رکھتا۔

پھر میں نے طے کیا ہے کہ اس کلیات میں تقریباً بیس رسائل جمع کر دوں اور ان کی ابتدا الخیر الکثیر سے کرتا ہوں کہ اسی کی مستحق ہے۔

مکتوب پہلا | مکتوبات المعارف میں شاہ محمد عاشق کے کچھ مکتوب ہیں، ان میں سے پہلا مکتوب یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

سیادت و نقابت مرتبت خلاصۂ مرداں، حقائق و معارف
آگاہ فضائل دستگاہ میر ابو سعید حفظہ اللہ تعالیٰ بعد از سلام
اشواق التیام از فقیر محمد عاشق مشہود ضمیر معارف تخمیر باد کہ الحمد للہ
علی العافیۃ و نسأل اللہ تعالیٰ ان یدیم لنا و بکم ایاہا اشفاق نامہ
کہ بمیاں شاہ نور اللہ حفظہ و فقیر ارقام فرمودہ بودند رسید و در نمود
الحال کہ فقیر بجہت تحصیل شرف ملاقات ملازمت حضرت قبلۂ
کونین مد اللہ ظلہم العالی رسید عرضی ایشاں را کہ بجناب حضرت
ارسال داشتہ بودند مطالعہ نمود مواجید خاصہ کہ بفضل الٰہی نصیب
ایشاں شدہ ملاحظہ کردہ و ایں معنی موجب نہایت خوشی و شادی
گردید و حمد الٰہی و شکر وے تعالیٰ بجا آورد اللّٰہم زد فزد و تمم زدہ
ان شاء اللہ تعالیٰ بعد حصول وطن شاید نامہ بخدمت خواہد نوشت
امید کہ بدعائے خیر یاد دارند زیادہ چہ التماس نماید والسلام میاں
محمد عتیق حفظہ سلام مطالعہ نمایند از محمد فائق سلام مطالعہ باد[1]

المسوّی پر

شاہ ولی اللہ نے موطا امام مالک کی ایک شرح عربی میں المسوّی کے نام سے لکھی تھی اور اس کے بعد المصفّٰی فی احادیث الموطا کے نام سے فارسی میں ایک اور شرح لکھی تھی، یہ شاہ صاحب کی زندگی میں مبیض نہیں ہو سکی تھی، یہ کام شاہ محمد عاشق کی نگرانی میں انجام کو پہنچا چنانچہ شاہ محمد عاشق نے اس کی روداد لکھی ہے جو المصفّٰی کے آخر میں[2] درج ہے۔

---

[1] مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ۔ ہم نے یہ عبارت الرحیم فروری ۱۹۶۹ء سے نقل کی ہے، مقالہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی
[illegible]

اما بعد فقیر محمد عاشق بر ضمیر صفا پذیر طالبان صادق واضح می
گرداند کہ چوں ایں کتاب مصفّٰی شرح موطا امام مالک از قلم فیض رقم
حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ و ارضاہ بتسوید رسید بسبب
اشتغال باشغال دیگر توجہ بترتیب و تہذیب آں مسودات مبذول
نشد و مدتے غیر مرتب ماند ہر چند گوشۂ خاطر مبارک باں طرف
ہمیشہ مصروف بود لیکن صورت نمی گرفت تا آں کہ روح پر فتوح ایشاں
بملاء اعلیٰ پرواز فرمود و چوں ایں واقعہ رو نمود کسے را از عقیدت
منداں ہوش نماند کہ بتفحص آں اوراق پردازد تا بعد مدت پنج یا
شش ماہ صالحے حضرت ایشاں را در خواب دید کہ گویا می فرمایند بہ
ترجمہ موطا شوق بسیار دارم و اظہار شفقت باں می فرمایند آں عزیز نزد
کاتب حروف آں بشری نمودار ہماں وقت شغفے متعلق بترتیب و
تبییض آں مسودات بخاطرم افتاد و نزد حافظ کلام رب العالمین خواجہ
محمد امین ولی اللّٰہی کہ تلمیذ خاص و محرم با اختصاص
بود شفقت خود را اظہار مخدوم ایشاں مسودات را بیروں آوردہ کتاب
مسوی پیش روے نہادہ ترتیب و تبییض گرفتند و بیاضے جدید کردہ
تا حسن انتظام یافت و ثامن عشر شوال یوم الاحد عند اربعۃ النہار
۱۱۷۹ تسع و سبعین بعد الالف والمائۃ مرتب و مہذب گردید الحمد للہ
علی ذالک حمداً کثیراً ۔

شاہ ولی اللہ کے فرزند گرامی

شاہ محمد دھلوی

شاہ ولی اللہ دھلوی کے ایک گم نام فرزند

شاہ ولی اللہ دھلوی کے فرزند گرامی کی تعداد عموماً چار بتائی جاتی ہے، حال آں کہ یہ تعداد چار نہیں پانچ ہے، ان میں سب سے بڑے شاہ محمد دھلوی تھے جو باقی چار بھائیوں سے مختلف البطن تھے اور ان کا ذکر شاہ عبدالعزیز دھلوی نیز شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ ابو سعید رائے بریلوی (مرید شاہ ولی اللہ) اور میر سید محمد نعمان چشتی (مرید شاہ ولی اللہ) کے متعدد مکاتیب میں ہے[1] جن سے زیادہ کوئی معتبر و مستند شاہد ان کے وجود کا نہیں ہو سکتا پھر گزشتہ صدی کے کئی معتبر مؤلفین نے صراحت و وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، مثلاً مولوی محسن بن یحییٰ الترہتی الیانع الجنی (تالیف ۱۲۸۰ھ) میں لکھتے ہیں۔ ص۷۵

[1] ملاحظہ ہو مکتوب المعارف شاہ ابو الاعلیٰ ... ص ... حاشیہ تحقیقات الاستاد

وکان لعبد العزیز اخ اقدم منہ سناً اسمہ محمد وکان اخا لابیہ اخذ عن ابیہ وھو ایضاً قدیم الوفاۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ

شاہ عبدالعزیز کے ایک بھائی اور بھی تھے جو ان سے عمر میں بہت بڑے تھے ان کا نام محمد تھا وہ شاہ عبدالعزیز کے علاتی بھائی تھے، انھوں نے اپنے والد شاہ ولی اللہ سے تعلیم حاصل کی تھی اور ان کی وفات بھی شاہ عبدالعزیز سے بہت پہلے ہوئی تھی، ان پر خدا کی رحمت ہو۔

عبدالرحیم ضیاء نے مقالات طریقت (تالیف ۱۲۹۰ھ) میں شاہ عبدالعزیز کے متوسل نصر اللہ خاں خویشگی خورجوی کی روایت سے ان کا حال لکھا ہے[1]۔

"حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ماموں کی دختر سے نکاح کیا تھا، ان سے مولوی محمد صاحب پیدا ہوئے، آپ بڑے ولی کامل تھے، آپ پر جذب غالب تھا، مولوی نصر اللہ خاں خورجوی کہتے ہیں کہ ایک وقت مولوی محمد صاحب پرانی دھلی میں چلے جاتے تھے، ایک مجذوب برہنہ پر نظر پڑی، آپ ان کو بے ستر دیکھ کر چیں بجبیں ہوئے، اس مجذوب نے کہا آج میرا جی کسی بڑے مولوی پر سوار ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے کہا میرا جی کسی بڑے فقیر کا گوشت کھانا چاہتا ہے۔ مجذوب نے کہا اے مولوی کیا کہتا ہے! آدمی کا گوشت درست نہیں چہ جائے کسی فقیر کا۔ آپ نے کہا اے فقیر! یہ کیا کہتا ہے، آدمی پر سوار ہونا کب درست ہے؟ فقیر نے کہا میری مراد سوار ہونے

[1] ص۱۴۲ مقالات طریقت مطبوعہ متین کرنان پریس حیدرآباد دکن ۱۲۹۱ھ

سے اس کو فیض دینا ہے، مولوی صاحب نے کہا میرا مطلب گوشت کھانے سے فیض لینا ہے، مجذوب نے کہا بسم اللہ آئیے۔ آپ نزدیک گئے، یہ شعر اس مجذوب نے آپ کو سنایا۔

کارے نساختیم و دمیدن گرفت صبح
او بی چراغ خانہ بافسانہ سوختیم

اس وقت آپ کو جذب ہوا انتہا تک رہا"

شاہ رفیع الدین دہلوی کے نواسے مولوی معز الدین دہلوی کے پوتے مولوی ظہیر الدین سید احمد ولی الٰہی ۱۳۱۲ھ میں لکھتے ہیں[1]

"شاہ (ولی اللہ) صاحب کا پہلا عقد شیخ عبید اللہ صاحب پھلتی کی صاحبزادی شیخ محمد عاشق پھلتی کی بہن کے ساتھ ۱۴ سال کی عمر میں ہوا تھا"

شاہ صاحب کی ان پہلی اہلیہ کا نام فاطمہ[2] تھا مولوی سید احمد کا بیان[3] ہے کہ

"ان (فاطمہ) سے ایک صاحب زادے ہوئے شیخ محمد صاحب"

مولوی سید عبد الحیٔ کا بیان[4] ہے کہ

و قرأ شمائل ترمذی سماعًا علیہ بقراۃ اخیہ الشیخ محمد"

شاہ عبد العزیز نے اپنے والد سے شمائل ترمذی اپنے بھائی شیخ محمد کی قرأت سے پڑھی تھی۔

ان معتبر روایات اور مستند بیانات کی روشنی شاہ محمد کے وجود میں کسی شک اور

---

[1] مقدمہ تاویل الاحادیث، مطبوعہ مطبع احمدی دھلی ۱۳۱۲ھ — [2] ارباب پھلت واخلاف شاہ محمد عاشق کے خاندانی قلمی شجرے سے۔ [3] دھلی اور اس کے اطراف صفحہ ۹۸ مولوی سید عبد الحیٔ، طبع دھلی۔
[4] نزہۃ الخواطر الجزء السابع صفحہ ۲۲۲ طبع دکن، مگر ہمیں خود شاہ عبد العزیز کا ایسا کوئی بیان نہیں ملا معلوم نہیں مولوی عبد الحیٔ نے کہاں سے یہ روایت نقل کی ہے؟

احتمال کی گنجائش باقی نہیں رہتی، شاہ محمد ہی کی وجہ سے بعض مقامات پر شاہ ولی اللہ کی کنیت "ابو محمد" بھی نظر سے گزری ہے، چنانچہ الارشاد الی مہمات الاسناد (مطبع مطبع احمدی دھلی) کے سرورق پر شاہ ولی اللہ کی کنیت ابو محمد درج ہے، صفحہ ۲ پر "ابو محمد" پر حاشیہ ہے جس میں ہے۔

ولہ ولد قبل مولینا عبد العزیز مسمی بمحمد فکنی بابی محمد

شاہ عبد العزیز سے پہلے (بڑے) آپ کے ایک اور صاحب زادے محمد تھے، اس لئے کنیت ابو محمد ہے۔

شاہ محمد کی ولادت دھلی میں ہوئی اور ممکن ہے آپ کی خاندانی روایت کے مطابق اپنے ننہال پھلت میں ہوئی ہو کیوں کہ شاہ ولی اللہ، شاہ اہل اللہ وغیرہ کی ولادت بھی پھلت میں ہوئی تھی سنِ ولادت کی کہیں صراحت نظر سے نہیں گزری انھیں شاہ عبد العزیز سے "اقدم سناً" (عمر میں بہت بڑا) لکھا ہے، شاہ عبد العزیز کی ولادت شاہ ولی اللہ کی دوسری شادی، ۱۱۵ھ کے دو سال بعد ۱۱۵۹ھ میں ہوئی تھی، اس لئے ہو سکتا ہے کہ شاہ محمد اپنے والد کی پہلی شادی ۱۱۲۸ھ کے دو چار سال بعد ۳۰ ـــ ۱۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے ہوں، تعلیم کے متعلق صراحت تو صرف شاہ ولی اللہ کے نام کی ہے، مگر آپ کے حقیقی ماموں شاہ محمد عاشق کا بھی آپ کی تعلیم و تربیت میں ضرور حصہ ہوگا۔

قیام زیادہ تر دھلی ہی میں رہا، شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت تک آپ دہلی ہی میں تھے[1] شاہ صاحب کے وصال کے بعد کچھ عرصہ آپ لکھنؤ بھی چلے گئے تھے۔

---

[1] مکتوب المعارف (مکتوب میاں محمد نعمان حسنی بنام شاہ ابو سعید رائے بریلوی)

شاہ عبدالعزیز صاحب اخون زادہ عبدالرحمٰن کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ؎۱

"برادر صاحب بزرگ شاہ محمد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ در بلدۂ لکھنو چھاؤنی نواب افضل خاں صاحب می باشند بخیریت اند اکثر خطوط ایشاں می آیند خاطر جمع دارند۔"

بڑے بھائی صاحب شاہ محمد صاحب لکھنؤ میں نواب افضل خاں کی چھاؤنی میں رہتے ہیں بخیر ہیں اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں مطمئن رہیں۔

اسی مکتوب الیہ کے نام اپنے ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ؎۲

"برادر صاحب کلاں حضرت شاہ محمد صاحب ہنوز در لکھنو توقف دارند خطوط ایشاں اکثر می آیند و خیریت ایشاں دریافت می شود بالفعل از چند ماہ ہمراہ نواب افضل خاں برادر نواب نجیب الدولہ مرحوم می باشند و نواب افضل خاں خدمت ہم می کنند۔"

بڑے بھائی حضرت شاہ محمد صاحب ابھی تک لکھنؤ میں قیام فرما ہیں، ان کے خطوط اکثر آتے رہتے ہیں اور خیر و عافیت معلوم ہوتی رہتی ہے آج کل چند مہینے سے نواب افضل خاں برادر نواب نجیب الدولہ مرحوم کے ساتھ رہتے ہیں اور نواب افضل خاں خدمت بھی کرتے ہیں۔

اس خط میں نواب نجیب الدولہ کو مرحوم لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء (وفات نواب) کے بعد کا ہے اور چونکہ اس میں مکتوب الیہ کو شاہ عبدالغنی کا سلام بھی لکھا ہے اس لئے ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۸ء (وفات شاہ عبدالغنی) سے قبل کا ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ شاہ محمد صاحب ۱۷۷۰ء سے ۱۷۸۸ء کے درمیانی عرصے

؎۱ فضائل صحابہ ص۲۶۲ طبع لاہور ؎۲ فضائل صحابہ ص۲۶۳ طبع لاہور

میں کم سے کم چند ماہ کے لئے لکھنؤ میں بھی رہے تھے۔

آخر میں آپ پھلت اور بڈھانہ منتقل ہوگئے تھے جو آپ کا ننہال بھی تھا اور جس کے قریب ہی آپ کی خاندانی جاگیر بھی تھی۔

آپ متاہل بھی ہوئے تھے، دو صاحب زادے بھی تھے مگر غالباً ان سے نسل نہیں چلی۔

وفات ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۴ء کو بڈھانہ میں ہوئی، آپ کا اور آپ کے دونوں فرزندوں کے مزار بڈھانہ کی جامع مسجد سے متصل ہیں۔ ؎۱

شاہ عبدالعزیز

شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کی پہلی شادی شاہ عبیداللہ پھلتی کی صاحب زادی اور شاہ محمد عاشق کی بہن سے ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء میں ہوئی تھی، ان سے شاہ محمد ؎۲ پیدا ہوئے جو آپ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔

شاہ محمد کی والدہ کے وصال کے بعد، شاہ صاحب نے ۴۳ سال کی عمر میں سیدہ ارادت بنت سید ثناءاللہ ؎۳ سونی پتی سے ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۶ء میں دوسرا عقد کیا جن کے بطن سے چار صاحب زادے اور ایک صاحب زادی تولد ہوئیں، ان صاحب زادوں میں سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز تھے۔

؎۱ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص۴۲۲ مقالات طریقت ص۱۴۱۔ ؎۲ شاہ محمد دھلوی پر ہم نے ایک مقالہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کے اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۶۵ء میں پڑھا تھا جو ماہنامہ فاران کراچی ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا اور فاران سے برصغیر کے ایک درجن سے زیادہ علمی و دینی مجلات نے نقل کیا اور اب شاہ ولی اللہ چار کے بجائے پانچ فرزند تسلیم کر لئے گئے ہیں۔ ؎۳ سید احمد دھلوی نے سید حامد لکھا ہے۔ تاویل ص۸۸

شاہ صاحب کی ولادت ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں ہوئی جبکہ شاہ ولی اللہ کی عمر ۴۵ سال ہوگئی تھی، خود شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے[1] کہ ان کا عرف "مسنیا" تھا اور "وجہ تعریف" یہ فرمائی تھی کہ "مجھ سے پہلے (اور شاہ محمد کے بعد) میرے والدین کے بہت سے بچے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اس لئے والدین اور اعزہ کو اولاد کی بڑی آرزو تھی، چنانچہ میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور اولیاء مسجد میں معتکف تھے جب میں پیدا ہوا تو غسل کے بعد مجھے مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا گویا خدا کی نذر کر دیا گیا، پھر ان معتکف بزرگوں نے مجھے محراب سے اٹھا کر اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے میرے والدین کو بخش دیا۔" تعلیم و تربیت والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی، والد ماجد ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے[2] چچا شاہ اہل اللہ بھی تربیت میں حصہ لیتے تھے مریضوں کو دیکھنے گھر سے باہر جاتے تو ان کو ساتھ لے لیتے[3]

اس طرح تعلیم میں مصروف تھے کہ عمر کے سترھویں سال میں والد وفات پا گئے[4] اس لئے تعلیم کی تکمیل خواجہ محمد امین، شاہ محمد عاشق اور شیخ نور اللہ بڈھانوی سے کی[5]

حصول تعلیم سے فراغت کے بعد والد کی مسند درس و ارشاد و افتا کو زینت دی، اور تقریباً ساٹھ سال اپنے زبان و قلم سے دین و طالبان علوم دین کی خدمت کرتے رہے۔

"روزانہ صبح قریب طلوع آفتاب ایک رکوع قرآن شریف سنا کرتے تھے اس کے قاری شاہ اسحٰق ہوتے تھے۔ جمعہ اور منگل کو قرآن شریف کا درس بطور وعظ کرتے تھے اس میں ہزاروں آدمی ہوتے تھے"[6] کسی خاص طریقے میں عام طور پر بیعت نہ فرماتے تھے

[1] ملفوظات عزیزی ص۱۰۹ - [2] ملفوظات ص۳ - [3] ملفوظات ص۱۱ - [4] تحفۂ اثنا عشریہ ص۵ مقالات طریقت ص۱۹
[5] ایضاً ص۲۹ [6] فاتحہ سوم شاہ ولی اللہ خان دوران خان کے محل کلاں میں ہوا تھا، رسم دستار بندی شاہ عبدالعزیز (میں) تین چار پیچ مولینا فخر صاحب نے باندھے تھے، جناب مرزا مظہر جان جاناں بھی شریک محفل تھے، مقالات طریقت

اپنے اعزہ خصوصاً شاہ مخصوص اللہ، شاہ اسماعیل، شاہ یعقوب اور [illegible] میں بیعت کیا، امراء و سلاطین کو چشتیہ میں اور دوسروں کو نقشبندیہ میں بیعت کرتے تھے—

"جو طلبہ و علماء تیمناً و تبرکاً حصول اجازت کے لئے آتے تھے پہلے تدریس کے وقت ان سے احادیث سنتے تھے، کچھ بیان بھی کرتے تھے، اس قسم کے شاگرد بے شمار ہیں"

وفات | آپ بہت قلیل الغذا کثیر الامراض تھے، وفات سے کچھ پہلے غذا کے ترک کی مرض کی شدت تھی، وعظ کا دن آیا تو فرمایا مجھے پکڑے رہو بیان شروع کر دوں تو چھوڑ دینا ایسا ہی کیا گیا وعظ فرمانے لگے، آیہ شریفہ ذوی القربٰی والیتمٰی والمساکین وابن السبیل کا بیان کیا، اس کے مطابق نقد اسباب سب تقسیم کر دیا من بعد قریب ایک لاکھ روپے کے نقد اور دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا تھا اس میں سے چند ہزار روپے زادراہ سفر حجاز در حج شاہ اسحٰق و شاہ یعقوب کو عطا کئے چند ہزار مراسم وفات کے لئے دیئے، پھر فرمایا میرا کفن اسی کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں، آپ کا کرتا ادھوتر کا اور پاجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا، جنازہ کی نماز شہر کے باہر ہو، بادشاہ میرے جنازے پر نہ آئے، ۷ شوال یک شنبہ ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء وقت طلوع آفتاب وصال ہوا۔ پہلی نماز جنازہ ترکمان دروازے کے باہر ہوئی، امام شاہ اسحٰق تھے، بعد ازاں نصیر الدین صاحب شافعی لکھنوی کے مقبرہ میں نماز جنازہ ہوئی کل ۵۵ بار نماز جنازہ ہوئی"[1]

حلیہ | "دراز قد، لاغر اندام، گندم رنگ، کلاں چشم، صاف جسم تھے، گرداگرد چہرے کے لحیہ مبارک خوشنما باعتدال تھی، اکثر جبہ اس کے تلے انگرکھا اور پاجامہ شرعی، دستار شمشی

[1] و [2] و [3] مقالات طریقت ص۲۲ و ص۳۰ و ص۱۱

کلاہ پنبہ دار، رومال بلبنی پاک نیلا اور پاپوش نری اور ہاتھ میں عصا رسبز رکھتے تھے"۔[۱]

جاگیر "تین موضع آپ کی جاگیر تھی، ان کی سند شاہ عالم بادشاہ (۱۱۷۵ھ/ ۱۸۰۶ء) اور دولت راؤ سندھیا نے گزرانی تھی، حسن پور اور مراد آباد پرگنہ سکندر آباد سے چاروں بھائیوں میں مشترک تھا اور ایک موضع محل مجنہ پرگنہ بڈھانہ (مظفر نگر) سے بلا شرکت غیرے آپ کے تصرف میں تھا، چنانچہ وہ موضع اپنے دونوں نواسوں مولینا محمد اسحٰق اور مولینا محمد یعقوب کو عطا کیا تھا، اب تک جاری ہے، مولینا نصر اللہ خاں (خورجوی) کہتے ہیں کہ میری عمل داری میں محل مجنہ کے سالانہ بارہ سو روپے کلدار ہوتے تھے اور اب بھی وہی ہے"۔[۲]

"شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان کو نجف خاں کے زمانے میں شدائد و مصائب اختیار کرنے پڑے، اس کا سبب شاہ صاحب کا شیعیت کے خلاف قلمی جہاد میں حصہ لینا تھا، شاہ صاحب کی جائداد اور املاک ضبط ہوئی اور وہ شہر دہلی سے نکالے گئے۔ شاہ عبدالعزیز نے ۳۰ جون ۱۸۰۷ء کو ایک درخواست ریذیڈنٹ دہلی کے توسط سے سکریٹری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو دی تھی کہ دہلی میں ان کی جائداد ضبط ہو چکی ہے، وہ واگزاشت کی جائے، اس درخواست کو قابل اعتنا سمجھا گیا، چنانچہ کیفیت کے خانہ میں درج ہے:۔ (ترجمہ عبارت انگریزی) ریذیڈنٹ دہلی نے جائداد منقولہ کے سپرنٹنڈنٹ کا خط اور نقل پیش کی اور سفارش پیش کی کہ حویلی پالم میں جو زمین پہلے شاہ عبدالعزیز کے پاس تھی وہ واپس ملنی چاہیے۔ شاہ عبدالعزیز کی یہ درخواست منظور ہو گئی اور ۷ اجولائی ۱۸۰۷ء کو سکریٹری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ریذیڈنٹ کو اطلاع دی گئی کہ

[۱] مقالات طریقت ص۱۳ [۲] ایضاً ص۲۶

گورنمنٹ شاہ عبدالعزیز کی جائداد واگزاشت کرتی ہے"۔[۱]

تصانیف تفسیر فتح العزیز، تحفۂ اثنا عشریہ، سر الشہادتین، بستان المحدثین، عجالۂ نافعہ، حاشیۂ القول الجمیل، سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل، وسیلۃ النجات، عزیز الاقتباس فی فضائل اخبار الناس، فیض عام، اصول مذہب حنفی، حاشیۂ صدرا، حاشیۂ میر زاہد رسالہ، حاشیۂ میر زاہد ملا جلال، حاشیۂ میر زاہد امور عامہ، تحقیق الرؤیا، میزان البلاغت، میزان العقائد، ما یجب حفظہ للناظر، الاحادیث الموضوعہ، حاشیہ علی المقدمۃ السنیہ، النبراس شرح العقائد للنسفی، اعجاز البلاغۃ، نظام العقائد، شرح ارجوزۃ الاصمعی، قران السعدین وایضاح النیرین در ذکر شہادت امام حسینؓ، تضمین قصیدہ شاہ ولی اللہ، فتاوی عزیزی۔ ملفوظات عزیزی،

شاہ عبدالعزیز نے تحفۂ اثنا عشریہ کی تالیف ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۹۰ء میں مکمل کی اور اس کی اشاعت ۱۲۱۵ھ/ ۱۷۹۹ء میں کلکتہ سے ہوتی تھی اور اس کے فوراً بعد تحفہ کی عبارت میں تحریف کے سلسلے کا آغاز ہو گیا، ایک معتقد نے ایک ایسی ہی محرفہ اور خلاف عقیدۂ اہل سنت عبارت تحفہ کے ایک نسخے میں دیکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھ کر خلش دور کرنے کی درخواست کی تو شاہ صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا کہ :۔

[۱] پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ فضائل صحابہ اہل بیت ص۵۶ طبع لاہور۔ نواب غازی الدین خان کا بیان ہے کہ جب فرزندان شاہ ولی اللہ کی حویلی ضبط کرلی گئی تو مولینا فخر صاحب نے ان حضرات کو اپنی حویلی میں ٹھہرایا، غمخواری کی، حویلی واپس دلوائی اور اعزاز و اکرام کے ایسی واپس بھیجا"۔ مناقب فخریہ مطبع احمدی دہلی ص۱۹۔

"وتعریضات درباب معاویہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نشدہ اگر نسخہ از تحفہ اثناعشریہ یافتہ شد۔ الحاق کسے خواہد بود کہ بنابر فتنہ انگیزی دکید و مکر کہ بنار مذہب الشیاں یعنی گروہ رفضہ از قدیم بریں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند اللہ خیر حافظا داین تعریضات در نسخ معتبرہ التبتہ یافتہ نخواہد شد[1]۔"

شاہ صاحب کی تفسیر فتح العزیز صرف ۔ سپاروں کی طبع ہوئی ہے، اور مشہور یہی ہے کہ اتنی ہی لکھی تھی، لیکن ایک روایت یہ ہے کہ

"آپ کے ایک شاگرد مولوی یار محمد صاحب نے آپ کے درسِ قرآن کے کئی دوروں پر اپنے مصحف پر حواشی لکھ لیے تھے، وہ ان کے فرزند مولوی محمد اسحٰق کے پاس موجود ہیں، یہ مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہے۔"

ایک اور روایت یہ ہے کہ "حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سلمہ اللہ تعالیٰ مولوی نوراللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبرآباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر چھپی نہیں[2]۔"

اخلاف

شاہ صاحب کی شادی مولوی نوراللہ بڈھانوی کی صاحب زادی سے ہوئی تھی اور ان کے بطن سے تین صاحب زادیاں تولد ہوئیں اور تینوں شاہ صاحب کی حیات ہی میں وفات پاگئیں۔

---

[1] مقالات طریقت ص ۳۰ [2] مقالات طریقت ص ۳۳

بڑی صاحب زادی کا عقد مولوی محمد عیسیٰ (فرزند شاہ رفیع الدین) سے ہوا تھا۔ دوسری صاحب زادی کا مولوی محمد افضل لاہوری سے ہوا تھا، ان سے دو فرزند تولد ہوئے، شاہ محمد اسحٰق اور شاہ محمد یعقوب اور تیسری صاحب زادی کا نکاح مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی سے ہوا تھا جو شاہ صاحب کی اہلیہ کے بھتیجے (مولوی ہبۃ اللہ بن نوراللہ کے بیٹے) تھے، ان صاحب زادی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور یہ بھی شاہ صاحب کی حیات ہی میں وفات پاگئیں۔

شاہ محمد اسحٰق کے ایک صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں تھیں صاحب زادہ کا نام سلیمان تھا مگر وہ نوعمری ہی میں وفات پاگئے۔

ایک صاحب زادی (امۃ الغفور) ملا عبدالقیوم بڈھانوی سے بیاہی گئی تھیں ان سے ایک دختر اور دو صاحب زادہ (۱) حافظ مولوی یوسف اور (۲) حافظ مولوی محمد ابراہیم تھے، حافظ محمد یوسف لاولد رہے، حافظ ابراہیم کے ایک لڑکے حافظ محمد اسماعیل اور دو لڑکیاں (حبیبہ اور ام سلمٰی) ہوئیں محمد اسماعیل کے ایک فرزند ہیں، حافظ محمد احمد ان کے بھی ایک فرزند ہیں، حافظ مصطفیٰ بھوپال میں مقیم ہیں صاحب اولاد ہیں۔ ام سلمٰی مولوی قاضی محمد شعیب (بن قاضی محمد یحییٰ بن قاضی محمد ایوب پھلتی) کو بیاہی تھیں جن سے مولوی محمد زبیر صدیقی (بھوپال) ہیں صاحب اولاد ہیں، حبیبہ سید عباس علی کو بیاہی تھیں ان سے سید جعفر علی لاہور میں مقیم ہیں۔

شاہ اسحٰق کی دوسری صاحبزادی شاہ اہل اللہ کے پڑپوتے شاہ محتشم اللہ کو بیاہی تھیں، شاہ محتشم اللہ کے صرف ایک فرزند مولوی عبدالرحمٰن کا علم ہے، یہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے، مولانا عبیداللہ سندھی نے المسوّیٰ کا نسخہ انہی مولوی عبدالرحمٰن کے ورثا سے

حاصل کیا تھا۔

شاہ صاحب کی تیسری صاحب زادی شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سیّد نصیر الدین مجاہد (شہید ۱۸۴۰ء در غزنی) کو بیاہی تھیں، ان کے دو صاحب زادے تھے (۱) مولوی عبداللہ اور (۲) مولوی عبدالحکیم۔

شاہ یعقوب کی ایک دختر کا نکاح مرزا امیر بیگ سے ہوا تھا، ان کے صاحب زادے مولوی خلیل الرحمٰن تھے۔

شاہ رفیع الدین دہلوی

ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء، وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء

والد کی وفات کے وقت ۱۲/۱۳ سال کے تھے اور میبذی وغیرہ پڑھ رہے تھے، بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز، ماموں شاہ محمد عاشق وغیرہ سے تحصیلِ علوم کی۔ شاہ عبدالعزیز اپنے ایک مکتوب[1] (۱۱۹۰ھ) بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں تحریر فرماتے ہیں: "رفیع الدین بفضلِ الٰہی تحصیلِ علوم سے فارغ ہوگئے ہیں۔ ایک مجلس میں علماء و فقراء کے سامنے ان کے دستار تبرک باندھی گئی۔ اور درس کی اجازت دی گئی، الحمدللہ بہت سے طلبا ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔" پھر جب شاہ عبدالعزیز نے اشتدادِ عوارض اور اضمحلالِ قویٰ کی بنا پر تدریس ترک کردی تو ان کے اسباق شاہ رفیع الدین ہی کے سپرد ہوئے اور مدرسہ کی صدارت کا بار آپ ہی نے اٹھایا اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک سرگرم افادہ و تدریس رہ کر ہزاروں

[1] مکتوب المعارف مطبع مطلع الانوار سہارن پور ۱۳۰۴ھ

فضلا پیدا کیے، شاہ رفیع الدین کو اپنے سب بھائیوں میں یہ امتیاز [illegible] دینیات کے ساتھ معقولات میں بھی کمال حاصل تھا۔ ملفوظاتِ عزیزی [illegible] کے ریاضیات میں تبحّر کے سلسلے میں کئی ملفوظ ہیں، ایک بار فرمایا [illegible] شاگردوں میں سے مولوی رفیع الدین کو خاص مرتبہ حاصل ہے۔ ریاضیات [illegible] انھیں موجد کا مقام حاصل ہے۔ ایک بار فرمایا "فنِ ریاضی میں مولوی رفیع [illegible] مثال ہندو ولایت میں نہیں ملے گی۔" شاہ عبدالعزیز کی نظر میں شاہ رفیع [illegible] مقام رفیع تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اپنی تفسیر فتح العزیز [illegible] من وعن نقل کردی ہے، ایک بار ایک ارادت مند نے عرض کی کہ میں نے [illegible] آفتاب کو غروب ہوتے دیکھا ہے، شاہ عبدالعزیز نے جواب دیا "آفتاب غروب [illegible] ہوگیا شاہ رفیع الدین چل بسے"[1]

شاہ رفیع الدین کو بیعت ارشاد شاہ محمد عاشق سے تھی، کسی مجذوب کی طرف سے بھی فیض پایا تھا۔

شاہ صاحب نے تدریس و افتا کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی مناسب توجہ فرمائی اور اگرچہ آپ کی تالیفات مبسوط و مطوّل نہیں ہیں بلکہ رسائل و مختصرات کے ذیل میں آتی ہیں لیکن اپنے مواد اور مشتملات کی نوعیت، ندرتِ موضوعات اور متبحرانہ اندازِ بیان کی بنا پر وہ بڑی ہی بیش قیمت ہیں، شاہ صاحب کی تالیفات نثر میں بھی ہیں اور نظم میں بھی، عربی میں بھی، فارسی میں بھی اور اردو میں بھی

اردو:۔

[1] ملفوظاتِ عزیزی ص۴۰، ص۶۲، ص۹۲ مطبع مجتبائی میرٹھ۔

(۱) ترجمہ اردو کلام اللہ: یہ ترجمہ آپ نے تقریباً ۱۲۰۵ھ میں مکمل فرمایا تھا۔ مگر مولوی عبدالرحیم ضیا کا جو اسی دودمانِ گرامی کے منتسبین و خدام میں سے ہیں، بیان ہے کہ [1]

"ترجمۂ تحت لفظی قرآن بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا، دوسروں نے تمام کرکے آپ کے نام سے شہرت دی"

عبدالرحیم ضیا کے اکثر بیانات کو ہم نے تحقیق کے بعد مبنی بر حقیقت پایا ہے اس لئے ان کے اس انکشاف کو بھی ہم بے اصل اور ناقابلِ التفات تصور نہیں کرسکتے خصوصاً اس لئے بھی کہ اس خاندان کے اکثر علمار کے ساتھ ایک گروہ — اہلِ حدیث نے یہ معاملہ کیا ہے اور ان کی تحریروں میں تحریف و تغیر اور ان کی طرف اپنی مصنفہ کتابوں کو نسبت و شہرت دینے میں اس گروہ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ہم نے ایک مستقل مضمون [2] میں ان تحریفات کی نشان دہی کی ہے۔

(۲) راہ نجات: ایک مختصر رسالہ (ضخامت ۳۲ صفحات) پہلی بار مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں شائع ہوا تھا۔

(۳) تفسیر رفیعی [3]: سورۂ بقرہ کی اردو تفسیر ہے، جو شاہ صاحب کے درس قرآن کی تقاریر پر مشتمل ہے، یہ تقاریر شاہ صاحب کے مسترشد سید نجف علی معروف بہ فوج دار خاں نے قلم بند کی تھیں اور شاہ صاحب سے اصلاح بھی کروائی تھی، یہ تفسیر فوج دار خاں کے بیٹے سید عبدالرزاق نے ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء میں مطبع نقشبندی

---

[1] مقالات طریقت معروف بہ فضائل عزیزی تالیف ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء۔

[2] مقالہ مولٰینا محمد عبدالحلیم چشتی، بینات رمضان ۸۲ء کراچی۔

سے شائع کی، تفسیر پر سید عبدالرزاق نے جو پیش لفظ لکھا تھا، اس میں نہ صرف تفسیر رفیعی بلکہ ترجمۂ قرآن کے متعلق بھی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں شاہ صاحب کے نہیں ان کے والد — فوج دار خاں کے لکھے ہوئے ہیں۔

والد بزرگ وار میرے نے بخدمت ... مولوی رفیع الدین رحمۃ اللہ کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمۂ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں پھر آپ ملاحظہ فرماکر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں، چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا اسی صورت سے تفسیر سورۂ بقرہ کے بطور فائدوں کے تمام و کمال مفصل و مشرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا۔

مندرجہ بالا اقتباس سے عبدالرحیم ضیا کے اس بیان کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے جو ہم نے ترجمۂ قرآن کے سلسلے میں نقل کیا تھا، آپ محسوس کریں گے کہ ضیا کے بیان میں وزن ہے !!

فارسی:-

(۱)۔ رسالہ اذانِ نماز، تالیف محرم ۱۲۲۰ھ

(۲)۔ رسالہ فوائدِ نماز۔

(۳)۔ حملۃ العرش۔

(۴)۔ شرح رباعیات۔

(۵)۔ بیعت

(۶) شرح چہل کاف، تالیف صفر ۱۲۲۰ھ

(٧) ۔ شرح برہان العاشقین در رسالہ معاً تالیف ۱۳ جمادی الآخری سنہ ۱۲۲۰ھ ۔

(٨) ۔ نذر بزرگان

(٩) ۔ جوابات سوالات اثنا عشر ۔

مندرجہ بالا ۹ رسائل ایک مجموعہ کی صورت میں مجموعہ رسائل تسعہ کے نام سے مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی نے مطبع احمدی دھلی سے شائع کئے تھے پھر سن ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۳ء میں مولینا عبدالحمید سواتی نے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شائع کئے ہیں ۔

(١٠) ۔ مجموعہ فتاوی شاہ رفیع الدین مطبع مجتبائی دھلی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء و مدرسہ نصرالعلوم گوجرانوالہ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۳ء

(١١) ۔ آثار القیامت (قیامت نامہ) مطبوعہ

(١٢) ۔ تنبیہ الغافلین، مطبع احمدی چھرہ، ہوگلی کلکتہ

(١٣) ۔ رسالہ سمت قبلہ ۔

(١٤) ۔ رسالہ تعدیلات الخمسۃ المتحیرہ

عربی :۔

(١) ۔ اسرار المحبۃ مطبوعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء تحقیق و تصحیح مولینا عبدالحمید سواتی[1] ۔

(٢) ۔ تفسیر آیۂ نور ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۴ء گوجرانوالہ تصحیح مولینا عبدالحمید سواتی ۔

(٣) ۔ تکمیل الاذہان تالیف ۱۲۳۰ھ / مطبوعہ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۵ء گوجرانوالہ ۔

(٤) ۔ مقدمۃ العلم } تحقیق و تصحیح مولینا عبدالحمید سواتی ۔

[1] مولینا عبدالحمید سواتی کو ادبیات ولی اللہی سے خصوصی شغف ہے اور موصوف نے اس خاندان اور خصوصاً شاہ کا متعدد کتب بڑی محنت و جانفشانی سے مرتب کر کے شائع فرمائی ہیں ۔ نجزاہم اللہ تعالیٰ ۔

(٥) ۔ دمغ الباطل، شاہ ولی اللہ کے مکتوب مدنی کے جواب میں مولوی غلام یحیی بہاری ف ۱۷۶۷ء نے رسالہ کلمۃ الحق لکھا تھا، شاہ رفیع الدین نے کلمۃ الحق کے جواب میں دمغ الباطل تحریر فرمایا، اس رسالے کے مخطوطات سالار جنگ میوزیم دکن، رضا لائبریری رام پور اور کتب خانہ شروانی علی گڑھ میں ہیں ۔

(٦) ۔ رسالہ فی اثبات شق القمر و ابطال براہین الحکمۃ

(٧) ۔ رسالہ فی تحقیق الالوان ۔

(٨) ۔ رسالہ فی الحجاب ۔

(٩) ۔ رسالہ فی برہان التمانع ۔

(١٠) ۔ رسالہ فی عقد الانامل ۔

(١١) ۔ حاشیہ بر میر زاہد رسالہ ۔

(١٢) ۔ الدرر الدراری ۔

(١٣) ۔ رسالہ فی المنطق ۔

(١٤) ۔ رسالہ فی الامور العامہ

(١٥) ۔ رسالہ فی التاریخ ۔

نظم

(١) ۔ قصیدۂ عینیہ، در رد قصیدۂ شیخ الرئیس ۔

(٢) ۔ قصیدہ معراجیہ ۔

(٣) ۔ تخمیس بر قصیدہ شاہ ولی اللہ در بیان حقیقت نفس

۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں دھلی میں جو وباء ہیضہ پھیلی تھی، اس سے شاہ رفیع الدین

بھی متاثر ہوئے جب مرض نے شدت اختیار کرلی تو شاہ عبدالعزیز نے حفّاظ کو سورۂ تبارک و یٰسین کی تلاوت کا حکم دیا جب وفات واقع ہوگئی تو عزیزوں کو تسلّی دی اور خدام کو حکم کہ والد ماجد کے پائنتیں جو جگہ میں نے اپنے لئے مخصوص کی تھی، وہاں قبر تیار کرو جب جنازہ باہر آیا تو روتے ہوئے جنازہ کو کاندھا دیا اور نماز جنازہ ادا کرکے جنازہ کو رخصت کیا اور خود بعد میں دستاید سواری پر مقبرہ پہنچے۔ قبر تیار ہو رہی تھی، جنازہ کے قریب والد کی قبر کے پاس مراقب ہوگئے، دفن کے بعد خود بھی مٹّی دی اور فاتحہ پڑھ کر رخصت ہوئے، شہر آکر زنانے میں گئے، وہاں سے مدرسہ (مردانے) آکر لوگوں کو وداع کیا، تلقین صبر کی اور فرمایا ان سے میرے چار رشتے تھے (۱) ایک حقیقی بھائی تھے (۲) والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے، (۳) میری دایا کا انھوں نے بھی دودھ پیا تھا (۴) شاگرد تھے [۱]

شاہ رفیع الدین ہی کی وفات پر شاہ عبدالعزیز نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم چاروں (حقیقی) بھائیوں کی رحلت میں ترتیب منعکسہ واقع ہوئی ہے، سب سے پہلے سب سے چھوٹے بھائی مولوی عبدالغنی گئے، ان کے بعد ان سے بڑے مولوی عبدالقادر، ان کے بعد ان سے بڑے مولوی رفیع الدین، اب میری جوان سب سے بڑا تھا باری ہے" [۲]

فاتحہ سوم میں مجمع کثیر ہوگیا تھا، اکیاسی بار سے زیادہ کلام اللہ ختم ہوا، شاہ دہلی اکبر شاہ ثانی کی طرف سے شاہزادہ سلیم و بابر و جواں بخت نے مجلس میں شرکت کی اور نذریں پیش کیں [۳]

---

[۱] ملفوظات عزیزی ص ۸۳-۸۴ [۲] ایضاً ص ۹۰ [۳] ملفوظات عزیزی ص ۸

اخلاف

شاہ رفیع الدین کے چھ[۱] صاحب زادے اور ایک صاحب زادی تھیں۔ (۱) مولوی محمد عیسیٰ (۲) مولوی مصطفےٰ (۳) مولوی مخصوص اللہ (۴) مولوی محمد حسین (۵) مولوی محمد موسیٰ (۶) مولوی محمد حسن۔

مولوی محمد عیسیٰ کا عقد شاہ عبدالعزیز کی بڑی صاحب زادی سے ہوا تھا، مولوی محمد مصطفےٰ کا عقد شاہ عبدالقادر کی صاحب زادی زینب سے ہوا تھا، ان کی صاحبزادی کلثوم تھیں جو شاہ محمد اسماعیل کو بیاہی گئیں اور ان سے شاہ محمد عمر پیدا ہوئے مولوی محمد موسیٰ کے ایک صاحب زادہ عبدالسلام اور ایک دختر تھیں۔

مولوی محمد حسن کے ایک صاحب زادہ احمد حسن اور چند صاحب زادیاں تھیں۔ مولوی احمد حسن کی صاحب زادی مولوی علاء الدین پھلتی کو بیاہی تھیں، یہ بزرگ مولٰینا فضل اللہ الجیلانی (نبیرہ مولٰینا سید محمد علی مونگیری بانی ندوہ) کے نانا تھے۔

شاہ رفیع الدین کی صاحب زادی اَمۃ اللہ کا عقد مولوی سید نجم الدین سونی پتی سے ہوا تھا، ان سے دو صاحب زادے تھے (۱) سید ناصر الدین اور (۲) سید نصیر الدین، سید ناصر الدین کے صاحب زادے سید معز الدین تھے اور سید معز الدین کے صاحب زادے مولوی سید ظہیر الدین ولی اللّٰہی تھے جنھوں نے اپنے اسلاف کی بہت سی کتابیں شائع کرکے ان کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

مولوی سید نصیر الدین کا عقد، شاہ محمد اسحاق محدّث دہلوی کی دختر سے ہوا تھا

---

[۱] دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۲ مقالات طریقت ص ۱۸

ان سے دو صاحب زادے تھے (۱) عبداللہ اور (۲) مولوی عبدالحکیم، یہ دونوں اپنے نانا شاہ محمد اسحٰق کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے، اس لئے ان کے بعد کی نسلوں کے حالات سے ہم بے خبر ہیں۔

شاہ عبدالقادر دہلوی

ولادت ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء والد کی وفات کے وقت صرف ۹ برس کے تھے، اور صرف میر پڑھتے تھے، علوم کی تکمیل شاہ محمد عاشق اور دوسرے علما سے کی بیعت ارشاد شاہ عبدالعدل دہلوی سے کی۔

تمام عمر اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں بسر کر دی۔ (سر سید) ۳۰ سال اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں رہے ہفتہ میں ایک روز (چہار شنبے کو) شاہ عبدالعزیز اور دوسرے اعزہ سے ملنے مسجد سے مکان آیا کرتے تھے۔ (مقالات طریقت ص۲۲)

۱۲۰۵ھ میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا، سر سید احمد خان لکھتے ہیں عربی زبان کا اردو ترجمہ سب سے پہلے مولوی عبدالقادر صاحب اور مولوی رفیع الدین صاحب نے کیا جس کا تاریخی نام "موضح قرآن" ہے اور جو پہلی بار ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہگلی (بنگال) سے شائع کیا تھا۔ مولوی سید شاہ جہاں والا دمیاں نذیر حسین نے ۱۳۰۷ھ میں اس میں اضافات کر کے شائع کیا چنانچہ مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللٰہی نے انفاس العارفین کے آخر میں اس خاندان کی جن جلیلی کتابوں کی نشان دہی کی ہے، ان میں تحفۃ الموحدین اور البلاغ المبین اور تفسیر مولینا شاہ عبدالقادر

۱؎ تذکرہ اہل دہلی ص۵

المعروف بموضح القرآن" بھی ہے۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے شاہ صاحب کے ایک رسالہ "اردو تعزیہ حسبیۃ" کا بھی نام لیا ہے۔[۱]

وصال ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء میں ہوا۔

آپ کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں، امام فضل حق خیر آبادی، مولینا صدرالدین، شاہ محمد اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر مکی جیسے اکابر فضلا عصر نے آپ سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں استفادہ کی سعادت حاصل کی تھی۔

آپ کی جسمانی یادگار صرف ایک صاحب زادی زینب تھیں جن کا عقد آپ نے اپنے بھتیجے شاہ مصطفےٰ فرزند شاہ رفیع الدین سے کیا تھا، ان کے بطن سے صرف ایک صاحب زادی کلثوم تولد ہوئیں جو شاہ اسماعیل کو بیاہی گئی تھیں، کلثوم کے صاحب زادے شاہ محمد عمر تھے جو ایک درویش نہاد عالم تھے، ۱۲۶۸ھ میں شاہ محمد عمر رحلت فرما گئے۔

شاہ عبدالغنی دہلوی

ولادت ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۸ء، والد کی وفات کے وقت صرف ۵ سال کے تھے اور قرآن مجید حفظ کر رہے تھے، حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد نو سال کی عمر میں محراب سنائی اور فارسی کا نصاب شروع کیا۔ پھر عربی کی صرف و نحو کا آغاز کیا[۲]۔ یہ معلوم نہیں کہ تکمیل علوم بھی کی تھی یا نہیں؟

۱؎ الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند طبع بیروت ص۱۵۸ ۲؎ مکتوب المعارف

والد کے ایک شاگرد شیخ علاء الدین پھلتی کی صاحب زادی فاطمہ سے عقد ہوا۔ جن کے بطن سے ایک صاحب زادی رقیہ اور ان کے بعد سن ۱۱۹۳/۱۷۷۹ء میں شاہ محمد اسماعیل پیدا ہوئے، شاہ اسماعیل کے بعد ایک اور صاحب زادی بھی تولد ہوئیں۔ شاہ اسماعیل کی والدہ کا ۱۸۲۲ء میں سفرِ حج کے دوران وصال ہوا[1]۔ اور شاہ عبدالغنی ۱۲۰۳ھ/۱۷۸۹ء میں ۳۲/۳۳ سال کی عمر میں جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

"آپ بڑے صاحب کشف و کرامات، عارف کامل زاہد و پرہیز گار یگانۂ روزگار بزرگ تھے"[2]

تعجب ہے کہ محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی[3] میں شاہ عبدالغنی کو سید احمد شہید کے مریدین میں محسوب کیا ہے، حال آں کہ سید احمد شہید شاہ عبدالغنی کی وفات کے وقت صرف دو ڈھائی برس کے تھے، تھانیسری نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بزرگ آخر میں مجذوب ہو گئے تھے۔ بی بی رقیہ کی شادی شیخ کمال الدین بن محمد معشوق بن علاء الدین پھلتی سے ہوئی تھی۔ شیخ کمال الدین کے انتقال کے بعد شاہ اسماعیل نے نکاح بیوگان کی تحریک کے دوران ان کا نکاح ثانی مولوی عبدالحی بڈھانوی سے کر دیا تھا[4]

شاہ اسماعیل کی شادی، شاہ عبدالقادر کی نواسی اور شاہ رفیع الدین کی پوتی کلثوم سے ہوئی تھی جن سے صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر ہوئے۔[5]

شاہ عبدالغنی کی دوسری صاحب زادی صاحبِ اولاد تھیں اور ۱۳۱۱ھ میں ان کی چند صاحب زادیاں بقید حیات تھیں۔[6]

---

[1] جماعت مجاہدین ص۱۲۳، [2] مقالات طریقت ص۲۳، [3] سوانح احمدی طبع کراچی ص۲۹۵، [4] مخزن احمدی ص۴۵ از سید احمد علی رائے بریلوی، [5] مقالات طریقت ص۲۲ [6] مقدمہ فتویٰ از مرزا محمد بیگ دھلوی ص۱۲

شاہ ولی اللہ کے اخلاف و احفاد

شاہ محمد اسحٰق دھلوی

شاہ محمد اسحٰق دھلوی، شاہ عبدالعزیزؒ کے بڑے نواسے، خلیفہ اور جانشین تھے خانوادہ ولی اللہی کے آخری عظیم و جلیل رکن، انیسویں صدی عیسوی کے بیشتر خدامِ حدیث نبوی کے شیخ تھے، شاہ ولی اللہ نے برسوں پہلے اپنے احفاد کے دائرۂ فیض کی وسعت کی جو پیش گوئی کی تھی، اس کے مصداق شاہ اسحٰق ہی تھے، ہم شاہ محدث کی حیات اور ان کے علوم پر ایک مبسوط کتاب تالیف کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کی حیات کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

والد کا نام شیخ محمد افضل، ولادت ۱۷۸۲ء تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی، حجاز میں شیخ عمر بن عبدالکریم مکی سے بھی سند حدیث لی، تربیت باطن بھی نانا اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی اور شاہ عزیز سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی، تعلیم سے فراغت ۱۸۰۰ء میں حاصل کی اور معاً بعد مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کی مسند پر رونق افروز ہو گئے اور مسلسل ۴۰ سال درس دیتے رہے، ۱۸۲۳ء میں نانا کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

---

[1] مقالات طریقت ص۲۳ و مقدمہ فتاویٰ عزیزی مرزا محمد بیگ ص۱۲

۱۸۲۴ء میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور دو سال بعد ۱۸۲۶ء میں واپس ہوئے، اس سفر میں حج و زیارت کے علاوہ وقت کے محدث شیخ عمر بن عبدالکریم سے سندِ حدیث بھی حاصل کی، مراجعت کے بعد ۱۶ سال درس و ارشاد و افتا میں مصروف رہے اور ۱۸۴۲ء میں دھلی سے مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے وہاں بھی طاعت و ریاضت کے علاوہ درس و ارشاد کا شغل جاری رہا۔ جوارِ حرم میں چار سال اور چند ماہ قیام کے بعد ۱۸۴۵ء میں وصال فرمایا اور اُمّ المومنین سیدنا خدیجہ رض کے مزارِ مبارک کے جوار میں مدفون ہوئے۔

حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ اُردو اور مختصر فارسی رسالہ "شعب الایمان" آپ کی قلمی یادگاریں ہیں "مسائل اربعین" اور "مائۃ مسائل" کو بھی ایک متشدد گروہ نے آپ کی جانب غلط نسبت دی ہے، ہم نے اپنی کتاب میں بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ یہ آپ کی تالیف نہیں ہیں۔

شاہ محمد یعقوب دھلوی

شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق کے چھوٹے بھائی، صرف چھوٹے بھائی ہی نہیں ہم خیال و ہم مسلک تھے، زندگی بھر رفیق و شریکِ حال رہے۔

اسم گرامی محمد یعقوب اور عرف چھوٹے میاں تھا، ولادت ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۶ء، تحصیل علوم زیادہ تر شاہ رفیع الدین سے کی، ضیا کا بیان[۱] ہے کہ تین سبق شرح ملا کے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پڑھے ہیں، اکثر علوم شاہ رفیع الدین سے حاصل کئے، تفسیر جلالین شاہ عبدالعزیز سے ان کی چہل قدمی کے دوران پڑھی، سند شاہ عبدالعزیز نے عطا فرمائی، فراغت کے بعد اپنے بزرگوں کے مدرسے میں درس دینے لگے۔

۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا، واپسی پر درس کا سلسلہ جاری رہا، ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں یہ پورا گھرانا ہند کے دارالحرب سے مکہ معظمہ ہجرت کر گیا، وہاں بھی درس و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا، ۲۴ برس جوارِ بیت اللہ میں قیام کے بعد ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۷ء کو وصال فرمایا۔

---

[۱] مقالات طریقت ص ۲۴۳

آپ سے علوم دینیہ اور فیض باطن حاصل کرنے والوں میں سے نواب صدیق حسن خاں، مولینا مظفر حسین کاندھلوی، مولوی عبدالعزیز جعفری، ملا عبدالقیوم بڈھانوی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولینا محمد قاسم نانوتوی، مولینا محمد زماں دشہید ۱۲۹۲ھ) شیخ محمد محدث تھانوی، خواجہ احمد بن یاسین نصیر آبادی، مولوی محمد سعید عظیم آبادی جیسے رجال علم وعمل ہیں[1] اور حاجی منیر خاں رئیس خانپور، سکندر شاہ، عبدالرحیم نگینہ ساز، نعمت خاں دخادم خاص) وغیرہ جیسے بکثرت اشخاص[2] بھی آپ سے متمتع ہوئے۔ ان حضرات میں سے مولینا قاسم کا بیان[3] ہے کہ مولینا محمد یعقوب صاحب قلب کے اندر جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔

مولف سوانح احمدی نے آپ کو سید احمد شہید کا مستفید و مرید اور ان کا خلیفہ بتایا ہے یہ اگرچہ عقلاً مستبعد نہیں ہے۔ مگر مولف موصوف نے شاہ عبدالعزیز کے گھرانے کے بارے میں اس قدر غلط بیانیاں کی ہیں کہ اس کی کسی بات کا بغیر سند کے اعتبار نہیں کیا جا سکتا، خود شاہ محمد یعقوب نے ہمیشہ اپنے فخر روزگار نانا ہی کے دامان تربیت سے وابستگی کو اپنے لئے باعث فخر ولائق ذکر سمجھا، چنانچہ ان کے ایک مسترشد شیخ محمد محدث تھانوی تحریر فرماتے ہیں[4]

اور ۱۲۶۳ھ میں فقیر کو بعد شرف بیعت وصحبت اپنے بمقام
مکہ معظمہ شرفہا اللہ تعالےٰ حضرت مولینا مولوی محمد یعقوب مہاجر مکی
نواسہ اور خلیفہ حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ

[1] مقالات طریقت ص۲۴۳ [2] امیر الروایات ص۱۵۰ دلجد و ص۲۳۶ [3] ارشاد محمدی از محدث تھانوی ص۳

[2] مقالات ص۲۴۶ و امیر الروایات ص۱۵۱ [3] امیر الروایات ص۱۵۱ [4] ارشاد محمدی ص۳ مطبع محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ بار دوم (تالیف ۱۲۷۷ھ)

نے اجازت تمام اذکار و اعمال و اشغال جملہ طریقوں کی جو ان
کو حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پہنچے تھے مرحمت
کرکے شریف اپنے کے و مع سند مہری علم حدیث اور علم تفسیر
فقہ و اصول حدیث اور تصوف ...... عطا فرمائی۔

شاہ محمد یعقوب کو اگرچہ شاہ محمد اسمٰعیل کے طرز فکر اور مسلک سے تعلق نہیں تھا مگر ان بزرگوں کے اختلافات حدود میں محدود ہوتے تھے، چنانچہ ان میں معاشرتی روابط خوش گوار تھے ادھر خاص تحریک جہاد بالکفرہ میں شاہ محمد یعقوب اور ان کے برادر مکرم نے ممکن اعانت کی، امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ شاہ صاحب نے حج کو روانہ ہونے سے قبل خاص خاص علماء کی ایک مجلس طلب کی تھی جس میں شاہ محمد یعقوب بھی شامل تھے، ان حضرات سے شاہ اسمٰعیل نے تقویت الایمان کے (مندرجہ بیان) کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا۔

مجاہدین کی ہجرت کے بعد ہندوستان میں اعانت مجاہدین کا کام انہی دونوں بھائیوں نے سنبھالا تھا، پورے ملک سے جو قافلے آتے وہ انہی بھائیوں سے مل کر ہدایت لے کر آگے بڑھتے، سرحد سے جو ہدایات آتی تھیں وہ انہی بھائیوں وساطت سے آتیں۔ زر اعانت کی فراہمی اور اسے مجاہدین تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی انہی کی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں سید صاحب کے متعدد خطوط ان حضرات کے نام ہیں، خطوط جن حالات میں لکھے جاتے تھے اور قاصد جن راستوں سے گزرتے تھے ان کی وجہ سے کاتب اور مکتوب الیہ کے اسماء صراحتہً نہیں لکھے جاتے تھے اور عموماً القاب اس قسم کے ہوتے تھے[1]

شیخین جلیلین للمرأتیہ عینین وللرویتہ اذنین وللسماحتہ یدین وللشہادۃ

[1] جماعت مجاہدین ص۱۸۵

عضدین للعبادۃ قد بین للهدا یتہ علمین اکبرھما فلا ریب فی انہ شجرۃ غائرۃ الاصول والاعراق ناضرۃ الغصون والاوراق واما اصغرھما فلا شک انہ ثمرۃ طعمھا مرغوب وریحھا محبوب

یا

الی کریم الاخلاق طیب الاعراق فاتح الاغلاق والی اخیہ المحبوب ذی الخلق المرغوب

یا

ناصران بکلمۃ اللہ ناصحان لدین اللہ اما اکبرھما فلا شک انہ نقی الاعراق صفی الاخلاق وصی الآفاق واما اصغرھما فلا ریب انہ ذو الخلق المرغوب مطہرا ادناس العیوب"

مولوی سید نصیر الدین مجاہد کے ایک خط سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب کا سندھ کی طرف ہجرت کا ارادہ تھا، مولوی سید نصیر الدین لکھتے ہیں:[1]

برائے مہاجرت بھائی یعقوب ملک سندھ بسیار خوب است"

مجاہدین و مہاجرین ہند میں ایک گروہ مولوی سید محبوب علی کی قیادت میں سید صاحب سے بغاوت کرکے جب سرحد سے لوٹ آیا تھا اور دھلی میں تحریک جہاد کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا تو تحریک جہاد بہت متاثر ہو گئی تھی، کیونکہ ادھر مجاہدین کے قافلوں میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی، ادھر مادی اعانت بند ہو گئی تھی، اس فتنہ کو رفع کرنے اور دوبارہ یہ سلسلہ شروع کرنے کا سہرا انہی دونوں بھائیوں کے سر ہے۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو نظر انداز کر دینے، فراموش کر دینے اور ان کی خدمات کو بھلا دینے کی منظم و متحدہ سعی کی گئی ہے، اس لئے ان حضرات کی سوانح کے

[1] جماعت مجاہدین ص ۱۵۱

صرف چند گوشے بمشکل اوراق تاریخ میں محفوظ رہ گئے ہیں، حسرال، اولاد، تصانیف مسترشدین و مستفیدین، غرض پوری زندگی کو اوجھل کر دیا گیا ہے ورنہ ان دونوں برادران گرام کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جو پیش گوئی کی تھی کہ اگرچہ میرے فرزند بھی مبارک ہیں اور ان میں نیکی ظہور پذیر ہوگی۔

مگر تدبیر غیب کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو اور ہستیاں پیدا ہوں گی جو بدتوں مکہ اور مدینہ میں علوم دینی کی ترویج کریں گی اور وہیں رہیں گی اور یہ دونوں ہستیاں اپنی ماں کے رشتے سے مجھ سے متعلق ہوں گی۔

تو نواب صدیق حسن خاں کے بقول اس کے مصداق شاہ اسحٰق و شاہ یعقوب ہو سکتے ہیں:

سرسید احمد خاں اپنے دور کے جن خاصان دھلی کے ذکر جمیل سے آثار الصنادید کے اوراق کو زینت دی تھی، ان میں شاہ محمد یعقوب کی بھی تھے لکھتے ہیں:-

علم و فضل میں بھی کم پایہ نہیں رکھتے تھے الآخلق جمیل و صفات جزیل اور قناعت و استغنا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی بطور ہدیہ پیشکش کچھ لایا کچھ قبول نہ کیا جو سرمایہ اپنے پاس رکھتے ہیں اس میں بسر اوقات کرتے ہیں خواہ بہ تنگی اور خواہ بہ وسعت اور حسب استعداد اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے رہتے ہیں اس کم استعدادی میں توفیق ایسے امور خیر کی ایسے ہی مردان خدا کا کام ہے آپ نے ہمراہ اپنے برادر مرحوم کے ہندوستان سے

ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں توطن اختیار کیا جب تک شاہ جہان آباد میں رہے گوشہ عزلت میں پابدامن رہتے تھے اور ابنار روزگار کی طرف کبھی رجوع نہ رکھتے تھے اور یہی حال ہے اس بلاد میں کہ کچھ وجہ قلیل میں جو کسی کسب حلال سے بہم پہنچتا ہے اپنی اوقات گزر کرتے ہیں اور اوقات شبانہ روزی کو عبادت خالق زمین و آسمان میں بسر کرتے ہیں۔ حق جل و علیٰ ایسے زبدۂ اہالی روزگار کو تادیر بسلامت رکھے کہ اپنے خاندان عالی شان کے یادگار رہیں آمین یارب العالمین"۔

سر سید نے "جو کسی کسبِ حلال" کا ذکر کیا ہے اس کی وضاحت مقالات طریقت کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ [1]

"کہتے ہیں کہ مکان میں فرصت کے وقت ریشم کھولا کرتے تھے"۔

شاہ عبدالعزیز کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب روزانہ ایک سپارہ دوبار پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ میں دوبار بیک وقت قرآن مجید ختم کرتے تھے: [2]

میاں یعقوب فرزند من ..... ور ہر شب یک پارہ در مدرسہ خوانده باز در خانہ مع جماعت ہموں پارہ می خوانند تاکہ معاد وقرآن شریف پس و پیش یک دو روز ختم می کنند۔

میرے بڑے میاں یعقوب روزانہ رات کو ایک ہی پارہ باہر مدرسے میں پڑھتے ہیں اور پھر گھر میں جماعت کے ساتھ وہی پارہ پڑھتے ہیں اس طرح دو قرآن مجید ایک دو روز کے آگے پیچھے ایک ماہ میں ختم کرتے ہیں۔

[1] مقالات طریقت، ص ۲۴۳ ۔ [2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۷ مطبوعہ میرٹھ

"ثقات کہتے کہ استعداد ظاہر کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی آیت کے معانی بیان کرتے تو وہ مضامین عالی بیان فرتے کہ سامعین حیران و ششدر رہ جاتے پہروں وہی بیان چلا جاتا، قوت باطن کا یہ حال کہ ادھر سبق حدیث شریف وغیرہ کا بھی ہو رہا ہے، ادھر توجہ بھی جاری ہے یہ اس کو مانع وہ اس کو مزاحم نہیں، امانت داری ایسی کہ یعقوب امین مشہور تھے، سکندر شاہ دھلوی کہتے ہیں کہ ایک شخص آپ کے پاس دو سو قرص مسی امانت لایا اور کہا یہ رکھیے، آپ نے فرمایا الماری میں رکھ دو اس نے نام نشان اپنا کر دیا، آپ نے نام لکھ کر دھر دیا، ایک مدت کے بعد آکر اس نے طلب کیا آپ دیدیے (آپ نے دیدیا) کہا کہ کھول کر بتلایئے فرمایا کہ تم نے بھی کھول نہیں بتایا تھا، جس طرح رکھا تھا اسی طرح رکھا ہوا ہے، وہ تکرار کرنے لگا اور کہا کہ یہ تو قرص ہیں میں تو ریال رکھا تھا (رکھے تھے) آپ نے فرمایا جو آپ نے رکھا تھا وہی ہے خیال نہ رہا ہوگا، خوب یاد کیجیے پھر اس نے (وہ) اسی طرح تکرار کرنے لگا آپ نے اس کو ایسا ہی آہستگی اور نرمی سے تین بار سمجھایا جب دیکھا وہ نہیں مانتا تو مکان سے جا کر دو سو ریال لا کر (دیا) دیے اور فرمایا کہ یہ بھی لے جاؤ خیر مجھکو سہو ہوا ہوگا، مگر کسی درجہ سے چپ (چپ) نہیں ہوئے"۔ [1]

حضرت کی عائلی زندگی کی تفاصیل دستیاب نہیں ہوئیں، صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی دختر، داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمٰن صاحب موجود تھے، [2] امیر الروایات میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے بیان کردہ ایک واقعہ میں "مولوی محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ" کا ذکر آیا ہے، اس پر مولانا اشرف علی تھانوی نے حاشیہ [3] میں لکھا ہے کہ میں نے بھی والد مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں ان کی زیارت کی تھی۔

[1] مقالات طریقت ص ۲۴۳ مؤلف کی زبان د محاورہ دکنی ہے [2] مقالات طریقت ص ۲۴۰ [3] امیر الروایات ص ۲۴۳

مقالات طریقت ۱۸۷۴ء میں تالیف کی گئی تھی، اس وقت تک مولوی خلیل الرحمٰن بقیدِ حیات تھے، اس پورے سو سال میں اس نسل سے کون کون اٹھا؟ ان آنے والوں کو رحیمی، ولی اللٰہی اور عزیزی دل و دماغ اور سیرت و کردار سے کتنا حصہ ارزانی ہوا؟ رحیمی مسند درس کسی نہ کسی شکل میں اب بھی آباد ہے یا نہیں؟ تلقین و ارشاد کے خاکستر میں کوئی چنگاری اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ کاش کسی ذریعے سے یہ معلوم ہو سکے!

مؤلف مقالاتِ طریقت نے حاجی حافظ کریم بخش سے روایت کی ہے کہ شاہ یعقوب نے حضرت شاہ عبدالعزیز کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہماری اولاد مکہ معظمہ میں جا بسے گی اور حضرت امام مہدی سے ملے گی" اس پر مؤلف لکھتے ہیں سبحان اللہ حضرت کی آل مولینا مولوی عبدالرحمٰن صاحب نواسے شاہ حضرت اسحاق کے اور جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سلمہا تعالےٰ نواسے مولینا یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اب حاضر ہیں، دوسری بات (لقاء امام مہدی) پر بھی خدائے جل و علیٰ قادر ہے"[1]

شاہ صاحب کے وصال کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے[2]

سکندر شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت کی تجہیز و تکفین میں حاضر تھا، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے میں اور امیر بیگ صاحب اور عبدالرحیم تکیہ ساز اور نعمت خاں حضرت کے خادم خاص نے قبر میں اتارا ہے، جمعہ کے دن بھی نماز صبح آپ نے تیمم سے ادا کی اور اشراق و چاشت بھی پڑھی، دوپہر ڈھلے جب حرم محترم میں اذان ہوئی اسی وقت روح پر فتوح جانب ملاء اعلیٰ پرواز کی عصر کی نماز کے بعد جنت المعلےٰ میں حسب وصیت آپ کی بی بی کی قبر میں قریب مزار پر انوار مولینا اسحٰق صاحب قدس سرہ

---

[1] مقالات طریقت ص۲۵ [2] مقالات طریقت ص۲۴۶

کو دفن کیا گیا، جنازے کی نماز کی ایسی کثرت ہوئی کہ تمام حرم کی دوکانیں بند ہو گئیں کھڑے رہنے کو بدشواری جائے رجگہ ملتی تھی، حرم شریف سے جنت المعلےٰ تک اتنی خلقت تھی کہ قدم اٹھانا مشکل تھا، جنازے کو ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، ہزار ہا عرب بوسے لے رہے تھے جس قدر امانتیں کہ تھیں سب لکھوا دیں اور فرمایا کہ تیس ریال نقرئی میرے تکیے کے تلے ہیں، اس تجہیز و تکفین ہو وے کچھ دھوم دھام اور تکلف ضرور نہیں" اس طرح عمل ہوا، حافظ سورتی مہتمم مساجد بھوپال نے آپ کی تاریخ وصال اس آیتِ کریمہ سے نکالی ہے۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

شاہ مخصوص اللہ

فرزند شاہ رفیع الدین، مدرسہ رحیمیہ کے عالی مرتبت مدرس، شاہ عبدالغنی فاروقی مجددی کے استاذ گرامی،

تعلیم و تربیت والد ماجد اور دونوں چچاؤں سے حاصل کی، بیعت شاہ عزیز سے سلسلہ قادریہ میں کی۔

عہد تعلیم ختم کرکے اپنے آبائی دارالعلوم میں تفسیر و حدیث کے درس کا منصب اختیار کیا اور طویل عرصہ تک اس فرض کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے، شاہ محمد اسحاق کی ہجرت حرم کے بعد تدریس کے ساتھ مدرسہ کے اہتمام کا بار بھی اپنے بھائی شاہ محمد موسیٰ کے ساتھ اٹھایا ۱۷۹۶ء سے شاہ عزیز کی وفات تک مسلسل ۲۵ سال ان کے درس قرآن کی مجالس میں تلاوت قرآن مجید کرتے رہے۔

مولانا بڑے صاحب کمال، علم ظاہر و باطن میں بے مثال تھے" (ص۱۸ مقالات طریقت) آپ کے اوقات ایسے مجموع تھے کہ شاید سلف صالحین کے زمرہ میں اولیاء کرام کے اوقات ہوں گے"۔ (ص۱۴۳ حیات ولی طبع اوّل)

"ایک مدت دراز تک تعلیم و تدریس میں مصروف رہے.... آخر میں گوشہ نشین ہو گئے اور اولیاء کرام کی سی زندگی بسر کرنے لگے اور بجز عبادت الٰہی اور تقویٰ کچھ کام نہ رہا" (ص۵۸۹ واقعات دارالحکومت دھلی) از بس کہ طبیعت عبادت دوست اور مزاج زہادت پرست واقع ہوا ہے، ایک عرصہ ہوا کہ سر رشتہ تدریس کو ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہیں"۔ (ص۹۷ تذکرۂ اہل دھلی طبع کراچی)

منشی محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی[1] میں شاہ مخصوص اللہ کو سید احمد شہید کے مریدین میں محسوب کیا ہے، یہ افترا محض ہے، اس لئے کہ اس قول میں کوئی مورخ اس کا ہم نوا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس مورخین نے انھیں اپنے عم عالی مقام شاہ عبدالعزیز کا مرید بتایا ہے جن کے سید احمد شہید بھی مرید تھے۔ پھر اس نے تو ان کے چچا شاہ عبدالغنی فرزند شاہ ولی اللہ کو بھی سید صاحب کا مرید لکھ دیا ہے[2] جو سید صاحب کی ولادت کے صرف دو ڈھائی سال بعد وفات پا گئے تھے، گویا شاہ عبدالغنی نے رائے بریلی جاکر گہوارے میں سید صاحب سے بیعت کی تھی، اور یہی نہیں اس نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سید صاحب سے بیعت ہونے کا متمنی اور آرزومند بتایا ہے[3]۔ تا بدیگراں چہ رسد!

اس انفراد پر مستزاد یہ کہ موصوف نے سید صاحب کے حادثہ شہادت کے ایک سال بعد اس عالم آب و گل میں پہلا سانس لیا تھا۔ اور حادثہ کے ۶۴ سال بعد سوانح احمدی تالیف فرمائی تھی۔

شاہ مخصوص اللہ، سید صاحب کے مرید ہونے کے بجائے ان کی جماعت کے اساطین شاہ محمد اسمٰعیل اور مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی کے وہابیانہ رجحانات کے شدید مخالف تھے، انھوں نے تقویت الایمان کے جواب میں معید الایمان لکھی تھی[4]، وہ جامع دھلی کے تاریخی مناظرہ کے نہ صرف شریک بلکہ پُرجوش فریق تھے۔ اس مناظرہ کے آغاز ہی میں جب مولوی عبدالحیٔ نے دریافت کیا کہ

"تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟"

---

[1] ص۲۹۵ سوانح احمدی طبع کراچی [2] ایضاً۔ ص۱۵۵ و ص۲۹۵ [3] ایضاً ص۱۲۱ [4] تہافتہ الوہابیہ از مفتی عبدالحفیظ آگرہ ص۲۔ وسیف الجبار از مولانا فضل رسول بدایونی ص۴

تو شاہ مخصوص اللہ نے جواب دیا تھا۔

"ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جائے۔" پھر
جب مناظرہ کے ۱۳ ویں سوال (بدعت پر گفتگو شروع ہوئی)،
بدعت حسنہ بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو مولوی عبد الحی نے
کہا تھا "اصل ہر بدعت کی بد ہوتی ہے"

اس پر مولانا مخصوص اللہ نے پوچھا کہ جس بدعت کی وجہ حسن و قبح ظاہر نہ ہو وہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں مولوی عبد الحی نے کہا سیئہ۔ شاہ مخصوص اللہ نے کہا، اس تقدیر پر بدعت اور مباح میں فرق کیا ہے"؟ ۔ اس سوال پر مولوی عبد الحی ساکت ہو گئے ۔عله

منشی تھانیسری نے غالباً شاہ مخصوص اللہ کی قلمی و عملی سرگرمیوں کی توجیہ کے لئے تحریر فرمایا ہے کہ "یہ بزرگ آخر میں مجنون ہو گئے تھے"عله مطلب یہ ہے کہ ہر بات کے باوصف ان کی تحریک کے خلاف یہ سرگرمیاں اور یہ جوش و جذبہ بربنائے جنون و اختلال حواس تھا، گویا جو کام صحت دماغ کا ثبوت اور عقل و ہوش کا نشان ہے وہی منشی تھانیسری کی نظر میں جنون ٹھہرا اور حسرت کا مصرع یاد دلا گیا

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد

شاہ مخصوص اللہ کا وصال ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶-۵۷ء) کو ہوا۔ اپنے آبائی مقبرے ۔ مہندیوں میں دفن کئے گئے۔

عله سیف الجبار ص۱۵۵ عله سوانح احمدی ص۹۵ عله الیانع الجنی (محمد بن یحیی المحسن الترہتی) ص۱۰۱ طبع جدید و مقدمہ فتاوی عزیزی ص۱۰

اس خاندان کی تاریخ اب تک اہل حدیث کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ اس لئے شاہ مخصوص جیسے بزرگوں کے سوانح حیات کے بیشتر گوشے ظلمت میں ہیں، کہاں عقد ہوا تھا، جسمانی یادگاریں کتنی چھوڑیں؟ کوئی تفصیل بھی معلوم نہ ہو سکی۔ بس مولوی بشیر الدین نے مہندیوں میں مدفونین کی فہرست میں شاہ مخصوص اللہ اور ان کی اہلیہ کو بھی شمار کیا ہے ۔عله

شاہ محمد موسیٰ دہلوی

شاہ رفیع الدین کے فرزند گرامی شاہ محمد موسیٰ، ولی اللّٰہی خاندان کے متاخرین میں ایک نمایاں شخصیت تھے!

آپ کا سنِ ولادت تو نظر سے نہیں گزرا لیکن امیر الروایات[1] میں یہ روایت درج ہے کہ آپ عمر میں شاہ محمد اسماعیل سے بڑے تھے اس لئے آپ ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء سے قبل پیدا ہوئے ہوں گے جو شاہ محمد اسماعیل کا سنِ ولادت ہے۔

علوم ظاہر و باطن کی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد اور عمین مکرمین سے حاصل کی اور اپنے اسلاف کی شہرۂ آفاق درس گاہ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگے، شاہ عبدالعزیز کے وصال (۱۸۲۳ء) کے بعد مدرسۂ رحیمیہ کا نظم ان کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحٰق نے سنبھال لیا تھا، ان کی ہجرت حجاز (۱۲۵۸ھ) کے بعد شاہ محمد موسیٰ پر تدریس کے ساتھ نظم کا بار بھی آپڑا جسے یہ حتی الوسع نبھاتے رہے۔

---

[1] امیر الروایات (حکایاتِ اولیاء) طبع کراچی ص۸۶

تا آں کہ تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) کو اس جہاں سے اُس جہاں میں جا بسے اور مدرسہ رحیمیہ کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا آخری ورق لوٹ دیا گیا۔

شاہ محمد موسیٰ کے وصال کے بعد ان کے صغیر السن صاحب زادے میاں عبدالسلام اور ایک صاحب زادی ان کی یادگار رہ گئے تھے، میاں عبدالسلام کسی بزرگ اور سرپرست کے نہ ہونے کی بنا پر حصولِ علم کی دولت سے محروم رہ گئے اور یوں ایک مرکزِ علم و حکمت سے علم و حکمت کا سلسلہ منقطع ہوگیا، بلکہ نہ جانے کن اسباب کی بنا پر نسل ہی تقریباً منقطع ہوگئی اور ۱۹۱۹ء میں مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے "واقعات دار الحکومت" تالیف کی، تو اُس خاندان میں سوائے ایک خاتون عفت مآب کے کوئی نام لیوا اور پانی دیوا نہ رہا تھا۔

شاہ محمد موسیٰ اور ان کی صاحب زادی اپنے مقبرۂ اسلاف مہندیوں میں محوِ خواب ہیں۔[1]

وہابیت کے رد میں دو رسالے آپ کی یادگار ہیں، مگر دونوں غیر مطبوعہ ہیں (۱) حجۃ العمل فی ابطال الجہل، فارسی زبان میں۔ یہ رسالہ ۶۰ اوراق (۱۲۰ صفحات) پر مشتمل ہے اور اختتام تالیف کی تاریخ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) ہے، پروفیسر محمد ایوب قادری فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ ان کی نظر سے گزرا ہے،[2] مولانا فیض احمد بدایونی نے اپنے رسالہ فیض عام میں اس رسالے کے تقریباً تین صفحات نقل کئے ہیں[3] مولانا بدایونی کا بیان ہے کہ شاہ محمد موسیٰ نے ایک رسالہ "در تحقیق استعانت" بھی لکھا تھا۔[4]

---

[1] واقعات دار الحکومت دہلی ص۹۰ حصہ دوم، آگرہ ۱۹۱۹ء [2] ترجمہ تذکرہ ... [illegible]

[3] رسالہ فیض عام ص۱۴۲ [4] ایضاً۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں دو مختلف مواقع پر شاہ محمد موسیٰ کے سوال اور شاہ عزیز کے جواب درج ہیں، ان میں سے پہلا[1] سوال یہ ہے کہ جسد بے روح پانی پر تیرتا رہتا ہے اور زندہ جسم تہ آب بیٹھ جاتا ہے، حال آں کہ روح ایک لطیف تر شے ہے، یہ کیوں؟ شاہ عزیز کے متوقع جواب سے قطع نظر، شاہ موسیٰ کا یہ سوال کرنا بڑا ہی افسوس ناک اور ندامت انگیز ہے، کیوں کہ یہ سوال ہمارے قدیم نصاب تعلیم کے ایک اہم نقص کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ہمارے علماء کی علوم طبعیہ سے ناواقفی اور بے تعلقی کا پردہ در ہے، جدید نصاب ہزار نقائص کے باوصف اس باب میں اس قسم کے نقائص سے پاک ہے اور ایک میٹرک کا طالب علم بھی اس سوال کے صحیح اور شافی جواب سے واقف ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب خاندانِ رحیمی کے تبرکات کے سلسلے میں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے، شاہ موسیٰ نے دریافت کیا تھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کونسا خط رائج تھا؟ شاہ عزیز نے جواب دیا کہ خطِ معقلی رائج تھا پھر حضرت علیؓ نے خط کوفی ایجاد کیا، چنانچہ میرے پاس حضرت علیؓ کے ہاتھ کی لکھی تحریریں ہیں اور حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید جو مسجد ؟ میں ہے خط کوفی میں ہے۔[2]

شاہ صاحب کے اس ارشاد میں مسجد سے مراد اگر مدرسہ رحیمیہ کی مسجد نہیں بلکہ جامع مسجد یا کوئی اور مسجد ہو تو بھی حضرت علیؓ کی تحریروں کو شاہ صاحب نے خود اپنی ملک فرمایا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ تحریریں اور دوسرے نوادر اور تبرکات اب کہاں ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں شاہ محمد اسحٰق کو منتقل ہوئی ہوں گی جو شاہ اسحٰق نے اپنی

[1] ملفوظات ص۲۵ [2] ملفوظات ص۱۰۱

ہجرت حرم کے وقت اگر یہیں چھوڑ دی تھیں، تو کس کے پاس؟ اور اس سے پھر کس کے پاس منتقل ہوتی رہیں؟ اور اگر ساتھ لے گئے تھے (اور یہی قرین قیاس ہے) تو اب یہ سب چیزیں کہاں ہیں؟ کسی ایک شخص کے پاس محفوظ ہیں؟ یا کسی دور میں تقسیم ہو گئیں؟ اگر ایک جا متفرق طور پر محفوظ ہیں تو اہل اور قدر شناس اور مرتبہ داں حضرات کی ملک میں ہیں؟ یا ہماری بدقسمتی سے معاملہ اس کے برعکس ہے؟ شاہ اسحٰق کے نواسوں عبداللہ اور عبدالحکیم (فرزندان مولوی نصیر الدین دہلوی) اور عبدالرحمٰن (فرزند شاہ محتشم اللہ، اور شاہ محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمٰن کا قرن رابع کے اواخر تک پتہ چلتا ہے۔ ان حضرات کے اخلاف اب بھی حجاز میں ہوں گے، یہ تو ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اب علم و فضل سے بہرہ یاب نہ ہو، اگر یہ کیا ضرور ہے کہ یہ سب لوگ دنیاوی و مادی حیثیت سے بھی بے حیثیت اور گم نام ہوں، دہلوی محدثین کے ارادت مندوں میں سے جو حضرات حج و عمرہ کی توفیق پاتے ہیں وہ اگر اپنے دورانِ قیام حرمین شریفین میں ان حضرات کی بھی تلاش کر سکیں اور ان نوادر اور تبرکات کے متعلق بھی معلومات کر سکیں تو صرف خاندانِ رحیمی کی بلکہ علم دین کی بھی اہم خدمت ہو گی۔

شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بھائیوں کے اخلاف و تلامذہ میں فکر و نظر کے اختلاف اور مذہب و مسلک کے تعدد نے دو گروہ پیدا کر دیئے تھے۔ ایک گروہ جس کے سربراہ شاہ محمد اسماعیل شہید تھے شخص معین کی تقلید کے وجوب کا منکر اور کسی حد تک محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ہم نوا تھا اور دوسرا گروہ شاہ عبدالعزیز کے مسلک کا متبع حنفیت پر مطمئن و مصر متکلم بالکفر والشرک کے باب میں محتاط تھا، مختصر یہ کہ جادۂ اعتدال سے

منحرف نہیں ہوا تھا، شاہ محمد موسیٰ اسی — دوسرے — گروہ کے حامی و ناصر تھے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی نے جو حزب عزیزی کے گویا قائد و نقیب تھے شاہ محمد اسمٰعیل کے متشددانہ افکار و نظریات کے رد میں سبقت کی اور تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ کے نام سے ایک مفصل رسالہ میں دلائل عقلی و نقلی کے ساتھ شاہ شہید کا رد کیا تو اس کے آخر میں جن ولی اللّٰہی اور عزیزی علماء و فضلا کے دستخط تھے، ان میں شاہ محمد موسیٰ بھی تھے، پھر یہ اختلاف ان دونوں گروہوں کو شاہ جہاں کی مسجد جامع میں منعقد ایک مجلس مناظرہ میں لے گیا تو اس میں بھی شاہ موسیٰ سرگرم نظر آتے ہیں ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) کو مسجد جامع میں جو مجلس مناظرہ برپا ہوئی تھی مولینا فضل رسول بدایونی نے اس کی مفصل روداد کو قلم بند کر کے اوراق تاریخ میں محفوظ[1] کر دیا ہے، اس مناظرہ میں شاہ موسیٰ اور مولوی عبدالحیٔ بڈھانوی کے درمیان یوں مکالمہ ہوا تھا:

> "مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم ہمارے استادوں کو برا کہتے ہو بولے (مولوی عبدالحیٔ) کہ میں نہیں کہتا" مولوی موسیٰ نے کہا کہ "یہ ایسے نئے مسئلے بتاتے ہیں کہ ان سے برائی استادوں کی ثابت ہوتی ہے"! پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ کہا کہ مثلاً قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور ہمارے اکابر اس کے مباشر ہوتے تھے، مولوی عبدالحیٔ نے انکار کیا، کسی نے کہا کہ لکھ دو تاکہ تمھارے اوپر جھوٹ باندھنے والوں کی تکذیب ہو جائے، مولوی عبدالحیٔ نے کانپتے ہاتھوں سے لکھ دیا بوسہ دہندۂ قبر مشرک نیست"

---

[1] سیف الجبار ص۵۴

مولوی سیّد ظہیر الدین احمد ولی اللّٰہی

خاندان رحیمی کے متاخرین میں سے مولوی سید ظہیر الدین احمد کو ان کی متعدد خدمات کی بنا پر ایک اہم اور قابل ذکر مقام حاصل ہے، انھوں نے سب سے زیادہ قابل تحسین و لائق قدر کام تو یہ کیا کہ مدرسۂ رحیمیہ کی ۴۰ سال کے بعد تجدید کی، دوسری اہم خدمت یہ انجام دی کہ اپنے خاندان کی ادبیات کی اشاعت کے لئے ایک مکتبہ اور طباعت کے لئے ایک مطبع جاری کیا، تیسری نتیجہ خیز کوشش یہ کی کہ ان حضرات کے خلاف ایک مہم چلائی جو شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کی طرف ان کتابوں کو منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں۔

ایک طرف مولوی صاحب کی یہ خدمات اور دوسری طرف ان کی گمنامی کا یہ عالم کہ کسی تاریخ کسی تذکرے کسی سوانح عمری میں آپ کو مولوی صاحب کا نام نہیں ملے گا۔ ۱۸۹۳ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے فتاویٰ عزیزی طبع ہوئی ہے، اس پر کوئی مرزا محمد بیگ دہلوی ہیں، انھوں نے مقدمہ لکھا ہے جس میں اس خاندان کے سب لوگوں کا ذکر ہے، چنانچہ مولوی

---

[1] واقعات دارالحکومت دہلی ص۵۵۹

[illegible] سے والد مولوی معز الدین کا بھی ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ [illegible]
[illegible] کے اخلاف میں سے اب کوئی نہیں پایا جاتا حالانکہ [illegible] تک بھی [illegible]
[illegible] مولوی سید احمد مدرسہ رحیمیہ کی تجدید کر چکے تھے اور اپنے خاندان کی گم گشتہ [illegible]
[illegible] رہے تھے۔ اسی طرح مولوی رحیم بخش دہلوی نے حیات عزیزی اور حیات ولی (۱۹۰۰ء)
[illegible] لکھیں مگر مولوی صاحب کا نام بھی لینے سے گریز کیا ہے، اس سے بھی زیادہ
حیرت کی بات یہ ہے کہ مولوی سید عبدالحی ۱۸۹۴ء میں دہلی میں ان سے ملے تھے
اور اپنے سفر نامے [illegible] میں ان کا اور ان کے کارناموں کا ذکر کیا ہے، مگر نزہۃ الخواطر میں
جو ان کے تذکرہ کا اصل محل تھا انھیں بھول گئے ہیں۔

حقیقت یہ [illegible] مولوی صاحب سے جرم بھی ایسا ہی سرزد ہوا تھا، انھوں نے اپنے
بزرگوں کی طرف منسوب جعلی کتابوں کی نشان دہی کی تھی، اس جرم کی سزا یہی تھی کہ ان کو
نظر انداز کر دیا جائے، ہمارے یہاں ایک غیر معمولی اور خفیہ تنظیم یہ سزا ایسوں کو دیتی رہی ہے
[illegible] علم اور مطالعہ کی حد تک ان کی سزا کا کوئی "تریاق" نہیں ہے جس کو انھوں نے
[illegible] کرنا اور گم نام کرنا چاہا پھر اسے کوئی یاد نہیں کر سکتا، مولوی سید احمد کو بھی یہی
[illegible] گئی۔ نہ کسی مسافر نے اپنے سفر نامے میں ان کا ذکر کیا ہے، نہ کسی تذکرہ نگار نے
[illegible] اس دور کی شخصیات میں ان کا نام لیا ہے، نہ کسی مؤلف نے اپنے ماخذ میں
ان کی کتابوں کا ذکر کیا ہے، حالانکہ وہ ایک عالم تھے متعدد علمی و دینی کتابوں کے
مترجم تھے، ادبیاتِ شاہی کے ناشر تھے۔ دہلی پر "یادگار دہلی" جیسی اہم کتاب کے
مؤلف تھے۔ بہر حال مولوی صاحب کے جس قدر حالات بھی دانہ دانہ کر کے فراہم

ملہ دہلی اور اس کے اطراف ص ۲۲ (مابعد)

ہوئے ہیں پیش خدمت ہیں۔

مولوی صاحب شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے، شاہ رفیع الدین
کی صاحب زادی امۃ اللہ زوجہ سید نجم الدین تھیں، ان کے دو صاحب زادے تھے
ایک مولوی سید ظہیر الدین دہلوی جنھوں نے مشہد بالاکوٹ کے بعد ہنگامہ جہاد کو
تازہ کیا اور سرحد ہی میں وفات پائی (۱۸۴۳ء) دوسرے صاحب زادہ سید ناصر الدین
تھے، ان کے صاحب زادہ مولوی معز الدین تھے، جن کے متعلق مرزا احمد بیگ کہتے
ہیں "الحال مولوی معز الدین صاحب از نبیرگان شاہ رفیع الدین دیگرے یافتہ نمی شود
حق تعالیٰ در عمرش برکت دہاد" ملہ ان مولوی معز الدین صاحب کے
صاحب زادے مولوی سید احمد تھے۔

مولوی صاحب کے سن ولادت کا علم نہیں مگر قرن چہاردہم کے آغاز کے ساتھ
ہی وہ ادبیات شاہی کی اشاعت کا کام شروع کر چکے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے
کہ وہ غدر ۱۲۷۳/۱۸۵۷ء کے قریب پیدا ہوئے ہوں گے جب ہی وہ تعلیم و تربیت سے
فراغت حاصل کر کے ۲۰/۲۵ سال کی عمر میں اس قابل ہوئے ہوں گے کہ بزرگوں کے
کارناموں کو زندہ کرنے کا ولولہ پیدا ہوا اور اپنے منصوبوں کی تشکیل کر سکیں، چنانچہ
انھوں نے ایک کتب خانہ انھوں نے اس دور کے مطابق "دوکان اسلامیہ" کا نام دیا
تھا اور ایک پریس جس کا نام شاہ ولی اللہ کے نام — احمد — مطبع احمدی سے
موسوم کیا تھا جاری کیے، مطبع غالباً قرن چہاردہم کے بالکل آغاز میں قائم کر دیا تھا،

ملہ مقدمہ فتاوی عزیزی [illegible] یہ مقدمہ [illegible] میں چھپا ہے اس سے ٹھیک ایک سال بعد [illegible]
نے آستانہ شاہی پر حاضری دی ہے تو بزرگ خاندان کی حیثیت سے مولوی معز الدین کے بیٹے مولوی سید احمد [illegible]
ان سے ملے تھے لیکن [illegible] کے درمیان انتقال ہو گیا ہو۔

کیوں کہ اس مطبع کی مطبوعات میں سے جن کتابوں پر سنِ طباعت کا اندراج ہے، ان میں پہلی کتاب "مجموعۂ ارشاد و اوائل وغیرہ" ہے جو ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۹ء میں طبع ہوئی اور دوسری کتاب "فیوض الحرمین" ہے جو ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی اور اس کتاب کے آخر میں اپنی ۱۱ مطبوعات کی فہرست و تفصیل دی ہے، ظاہر ہے کہ گیارہ[۱۱] کتابیں کم سے کم ۴/۵ سال میں طبع ہو سکی ہوں گی، اسی لئے ہم یہ قیاس کر رہے ہیں، مولوی صاحب نے ۱۳۰۲ھ/۱۳۰۱ھ میں یہ مطبع قائم کر لیا ہوگا۔

اس مطبع کی سب سے آخری کتاب جس کا ہمیں علم ہے حسن الاقتباس ہے جو ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں طبع ہوئی تھی، اس طرح یہ مطبع تقریباً ۲۰ سال تک جاری رہا اور اس عرصہ میں اس کی ۲۵ مطبوعہ کتابیں ہمارے علم میں آئیں اور نظر سے گزری ہیں۔ خیال ہے کہ یہ تعداد زیادہ ہی ہوگی، ان ۲۵ میں سے دو کتابیں خود مولوی صاحب کی تالیف ہیں (۱) یادگار دھلی (۲) حالات عزیزی۔ ایک کتاب (الدر الثمین از شاہ ولی اللہ) مولوی صاحب کی ترجمہ کی ہوئی ہے۔ اور انھوں نے ترجمہ کے آغاز میں خود وضاحت کی ہے کہ یہ ترجمہ انھوں نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں[۱]:

"کتاب در ثمین ... جب اس کم ترین سید ظہیر الدین عرف
سید احمد ... کی نظر سے گزری ... اس کا اقتضا ہے کہ جو احباب
میرے ہم زبان اور لسان سرور کون و مکان سے نا آگاہ ہیں
اس تحفہ میں وہ بھی میرے شریک ضرور ہوں ... اس لئے
اس کا اردو ترجمہ مناسب جانا"۔

۱؎ الدر الثمین مترجم ص ۲ مطبع احمدی دھلی

بقیہ[۱۹] کتابوں میں سے ۶ کتابیں بھی مترجم ہیں مگر ان کے مترجم کے نام کی وضاحت نہیں ہے کہ مولوی صاحب ہی ہیں یا کوئی اور عالم، ایک کتاب (تحقیق الرویا از شاہ عبدالعزیز) کے متعلق تو یہ بھی وضاحت ہے کہ مولوی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا نہیں بلکہ کسی سے کروایا ہے اور معاوضہ دے کر کروایا ہے، لکھتے ہیں[۱]:

"... مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اگر اردو میں ترجمہ بھی ہو
جائے تو بہت خوب ہے ... اللہ تعالٰے کا لاکھ لاکھ
شکر ہے کہ اس نے کمال فضل سے میری آرزو پوری کی
اور مجھکو اس کے ترجمہ کرانے اور اس پر روپیہ صرف کرنے کی
اور پھر طبع کرنے کی توفیق دی ..."

مطبع احمدی کی ان ۲۵ مطبوعات کی فہرست درج ذیل جو ہماری نظر سے گزری ہیں یا معتبر حضرات نے ان کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱)۔ الطاف القدس ترجمہ۔
(۲)۔ سطعات مع الجزء اللطیف۔
(۳)۔ مکتوبات مع فضیلت امام بخاری و ابن تیمیہ۔
(۴)۔ سعادت کونین ترجمۂ فیوض الحرمین، سال طباعت محرم ۱۳۰۸ھ
(۵)۔ الدر الثمین مترجم۔
(۶)۔ مجموعۂ الارشاد و اوائل و تراجم ابواب بخاری و ما یجب حفظہ [illegible]
(۷)۔ تاویل الاحادیث مترجم۔

۱؎ تحقیق الرویا ص ۲ مطبع احمدی

(۸) ۔ جواشی

(۹) ۔ وصیت نامہ مع رسالہ دانش مندی مترجم

(۱۰) ۔ مجموعۂ فتاوی شاہ عبدالعزیز

(۱۱) ۔ عجالۂ نافعہ

(۱۲) ۔ حسن العقیدہ (اعتقادنامہ) مترجم

(۱۳) ۔ انفاس العارفین

(۱۴) ۔ مکتوب مدنی

(۱۵) ۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

(۱۶) ۔ تکملۂ ہندی

(۱۷) ۔ تکملۂ یونانی

(۱۸) ۔ انفاس رحیمیہ (مرتبہ شاہ اہل اللہ)

(۱۹) ۔ مجموعہ رسائل شاہ رفیع الدین۔

(۲۰) ۔ عزیز الاقتباس ترجمہ مولوی نظام الدین کیرانوی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء

(۲۱) ۔ مناقب فخریہ، مؤلفہ نواب غازی الدین خاں مرحوم ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء

(۲۲) ۔ یادگار دھلی مؤلفہ مولوی سید احمد

(۲۳) ۔ حالات عزیزی " "

(۲۴) ۔ تحقیق الرویا

(۲۵) ۔ ارشاد رحیمیہ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء ۔ یہ مطبع پہلے آپنے مکان میں قائم کیا تھا اور پتہ عقب کلاں محل لکھا جاتا تھا، اس کے بعد محلہ دریبہ کلاں کی دوکان ۱۷۹ میں منتقل ہوگیا تھا۔

مدرسہ عزیزی

مولوی سید احمد کا دوسرا اہم اور قابل قدر کام اپنی قدیم خاندانی درس گاہ کی تجدید تھا۔ یہ مدرسہ غالباً ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں قائم کیا تھا۔ اور ۳/۴ سال سے زیادہ نہ چل سکا ۱۳۱۲ھ/۵۔۱۸۹۴ء میں جب صاحب نزہتہ الخواطران سے ملے تھے، یہ مدرسہ بند ہو چکا تھا۔

مولوی صاحب نے کس ولولے اور جذبے سے یہ مدرسہ جاری کیا تھا، اس کا اندازہ اس کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے فیوض الحرمین کے خاتمہ کے طور پر لکھی تھی۔[1]

جب سے حضرت مولینا اسحاق صاحب محدث دھلوی بیت اللہ ہجرت فرما گئے اور مولوی محمد مخصوص اللہ خلف مولینا شاہ رفیع الدین صاحب کا انتقال ہوگیا (۱۸۵۶ء) مدرسہ کہنہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا تخمیناً چالیس برس سے غیر آباد پڑا ہے۔ اگرچہ اولاد مولینا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے چند اشخاص جو وارث حضرت مولینا شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت مولینا شاہ عبدالعزیز صاحب کے تھے، مدرسۂ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے مگر بوجہ جاری نہ ہونے سلسلۂ درس تدریس کے اکثر احباب اور متوسلین خاندان کو معلوم بھی نہ رہا کہ اولاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ان کے قدیم مسکن و درس گاہ میں رہتی ہے۔ اس اثنا میں مکان (عمارت) مدرسہ بھی غدر میں منہدم ہوگیا، بعد اس عرصہ معہودہ کے مسبب الاسباب نے داعیہ تعمیر اور آبادی اس مدرسہ

[1] فیوض الحرمین مطبع احمدی ص ۱۰۸

مذکورۂ کا جو در حقیقت منبع علم دین ہندوستان میں ہے، اس
کم ترین کے دل میں ڈالا تو بعونہ تعالیٰ دن رات اس کی آبادی
کی کوشش میں ہوں اور شب و روز مجیب الدعوات سے دست
بدعا ہوں کہ اے قاضی الحاجات اس اجڑے ہوئے چمن کو
دوبارہ سرسبز کر دے اور یہ جو نام مفقود ہوا جاتا ہے اس کے باقی
رہنے کی کوئی تدبیر کر اور اس میں سلسلہ درس و تدریس کا جاری کرا
اور اس مدرسہ موصوفہ کا مثل اور مدرسوں اسلامی کے کہیں سے کچھ
کفاف مقرر نہیں ہے اور خاص یہ شہر تو سرپرستی باہمی سے خالی ہو گیا
ہے، اور میرے پاس اس قدر سرمایہ نہیں ہے کہ سلسلہ درس تدریس
کا شروع کروں اور طلبہ کی اعانت کر سکوں تو دل نے چاہا کہ اس خزانہ
بے بہا کو جو عرصہ دراز سے محفوظ چلا آ رہا ہے نکالئے اور حلیہ طبع
سے جلا دے کر جوہریان بازار معانی کو دکھایئے اور جو اس کا نفع ہو
مدرسہ موصوفہ میں صرف ہو اور قدرے تردد بر طرف ہو تو اس
کم ترین نے یہ چند رسالے کہنہ نکال کر حلیہ طبع آراستہ کر کے ہدیہ
شائقین کئے (اس کے بعد اپنی گیارہ مطبوعات کی فہرست دی ہے)
اور ایک کتب خانہ اور مطبع برائے اعانت مدرسہ موصوفہ کے جاری
کیا ہے.....“

اس تحریر کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ مولوی صاحب نے ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں کسی نہ کسی
پیمانے پر اور کم سے کم نام کی حد تک مدرسہ کی تجدید کی تھی۔

مولوی صاحب نے اس مدرسہ کا نام مدرسہ عزیزی رکھا تھا اور مطبع کو بھی
وہ التزام کے ساتھ ”مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیزی“ لکھتے ہیں، کتب خانے کا نام دوکان
اسلامیہ تھا اور وہ اولاً گھر ہی پر تھا اور اس کا پتہ کلاں محل اور کبھی عقب کلاں محل لکھتے
تھے، (مثلاً سب سے پہلی کتاب الطاف القدس پر یہی پتہ لکھا ہے) مگر بعد میں، دوکان
۱۷۹ دریبہ کلاں کا پتہ شائع ہونے لگا۔

ابتداءً مولوی صاحب تنہا ہی یہ کاروبار چلا رہے تھے اور اپنے نام سے پہلے
مہتمم یا مالک مطبع احمدی و دوکان اسلامیہ لکھا کرتے تھے، مگر چند سال بعد اشتہارات
میں واحد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہونے لگا اور مالک سے مالکان ہو گئے۔ مولوی
صاحب کے یہ شریک کار مولوی سید عبد الغنی کلیمی تھے۔ مولوی عبد الغنی[1] غالباً ۱۳۱۱ھ/
۱۸۹۳ء میں شریک ہوئے تھے کیوں کہ مولوی صاحب کے نام کے ساتھ ان کا نام
پہلی بار ”انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ“ کے خاتمے میں آیا ہے جو ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئی تھی۔

[1] خاندان ولی اللّٰہی کا ہر خادم اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے احوال و سوانح کا تجسس کریں
اور جہاں جہاں جو کچھ مل جائے اس کو جمع کر دیں، مولوی سید احمد سے بھی ہمیں ان کی انہی خدمات
کی بنا پر عقیدت ہے اور مولوی سید عبد الغنی بھی ہم سے اسی عقیدت و ارادت کے متقاضی
ہیں، مگر افسوس کہ ہمیں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ مولوی سید احمد کے ہم شیر زادے اور
مولوی سید محمد کے فرزند تھے۔ انھیں بیک وقت دو رجال علم و تقویٰ ..... شاہ ولی اللہ اور
شیخ کلیم اللہ سے نسبت تھی، اس لئے وہ اپنے نام کے ساتھ کلیمی ولی اللّٰہی لکھا کرتے تھے اور شیخ
کلیم اللہ جہاں آبادی کی درگاہ کے متولی اور صاحب سجادہ تھے، چند سال اپنے ماموں مولوی
سید احمد کے ساتھ بزرگوں کی تالیفات کی اشاعت میں شریک و سہیم رہے اور مولوی سید احمد

کے وصال کے بعد عرصے تک تنہا یہ خدمت انجام دیتے رہے، کئی رسائل و کتب کے دوسرے ایڈیشن شائع کئے مطبع احمدی بند کر دیا تھا اور دوسرے مطابع میں چھپواتے تھے۔ مولوی سیّد عبدالغنی کی شائع کردہ حسب ذیل کتابوں تک ہماری رسائی ہو سکی ہے (۱) تفہیمات حصہ اوّل (بار اوّل) (۲) سواء السبیل کلیمی (از شاہ کلیم اللہ جہان آبادی) (بار اوّل) (۳) فیصلہ وحدت وجود و شہود (بار دوم) (۴) فیوض الحرمین (بار دوم) (۵) تحقیق الرویا (بار دوم) (۶) انتباہ (بار دوم) (۷) الدر الثمین (بار دوم) اس کے حاشیہ پر شاہ اسحٰق کے مسلسلات بھی شائع کئے تھے۔ مولوی سیّد عبدالغنی ۱۹۱۳ء تک حیات تھے، کیونکہ مولوی سیّد محمد امام عیدگاہ شاہی دھلی نے اسی سال اپنے صاحب زادہ حافظ طاہر حسن کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اس تقریب میں دستار امامت مولوی سیّد عبدالغنی نے باندھی تھی (الرحیم لاہور مارچ ۱۹۶۸ء سیّد رشید احمد ارشد)۔

مولوی سیّد احمد کی تیسری اہم خدمت یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف کرام کی تالیفات شائع کیں بلکہ ایک مہم ان حضرات کے خلاف بھی چلائی جو اپنے افکار و نظریات کے لئے شاہ ولی اللہ اور ان کے ابناء کرام کا نام استعمال کر رہے تھے، اور ان بزرگوں کی طرف وہ کتابیں منسوب کر کے شائع کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں یا ان کی کتابوں میں اپنی طرف سے اضافات کر رہے تھے، پہلے تاویل الاحادیث کے خاتمہ میں لکھا۔

"آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور درحقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو ان کی تصانیف میں اپنے عقیدہ کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقعہ پایا تو عبارت

کو تغیّر تبدل کر دیا، تو میرے کہنے سے یہ غرض ہے کہ جو اب تصانیف ان کی چھپیں اچھی طرح اطمینان کر لیا جائے جب خریدنی چاہئیں"

اس کے بعد انفاس العارفین کے آخر میں التماس ضروری کے عنوان سے لکھا:۔

فی زمانہ الدنیا زور ولا یحصلھا الّا بالزور کو بعض حضرات نے کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضرات موصوفین (خاندان رحیمی) کی طرف اکثر کتابیں منسوب کر کے چھاپ دی ہیں جو کسی طرح ان حضرات کی تصنیف میں سے نہیں ہیں اور ارباب بصیرت ان کو پڑھ کر ان کے عیب اور مفاسد کو اس طرح جان لیتے ہیں جس طرح ایک تجربہ کار نقاد کھرے کھوٹے کو کسوٹی پہ لگا کر پہچان لیتا ہے مگر بمضمون الاعوام کالانعام بیچارے اردو پڑھنے والے علم سے بے بہرہ لوگ اکثر ان جعلی اور مصنوعی رسائل کو پڑھ کر ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس واسطے میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے نام اس کاغذ کوتاہ میں لکھ دوں اور اپنے دیندار بھائیوں کو ارباب زمانہ کی گندم نمائی وجو فروشی سے آگاہ کر دوں آگے اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان کا فعل ہے۔

منت آں چہ حق بود گفتم تمام
تو دانی دگر بعد ازیں والسلام

اور وہ جعلی اور مصنوعی رسائل یہ ہیں:۔

(۱) تحفۃ الموحدین مطبوعہ اکمل المطابع دھلی کہ منسوب بطرف حضرت مولنا شاہ ولی صاحب

(۲) بلاغ المبین مطبوعہ لاہور۔ (منسوب بہ طرف حضرت مولٰنا شاہ ولی اللہ صاحب)
(۳) تفسیر موضح القرآن، مطبوعہ خادم الاسلام دھلی۔ منسوب بہ طرف مولٰنا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم۔
(۴)۔ ملفوظات مطبوعہ میرٹھ، منسوب بہ طرف حضرت مولٰنا شاہ عبدالعزیز۔

مولوی صاحب کی تصانیف (یادگار دھلی اور حالات عزیزی) کے علاوہ ان کے دو مضمون بھی بڑے اہم اور قابلِ ذکر ہیں (۱) شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون جو تاویل الاحادیث کے آخر میں شائع کیا گیا اور کئی نئی معلومات پر مشتمل ہے۔ (۲) شاہ اہل اللہ دھلوی پر ایک مفصّل مقالہ جو تکملۂ ہندی کے آخر میں شائع کیا تھا اور جو شاہ اہل اللہ پر ایک اوّلین اور معتبر ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولوی صاحب کی تاریخ وفات اور اخلاف و اولاد کے متعلّق کوئی بات معلوم نہ ہو سکی، مولوی بشیر الدین نے واقعات دار الحکومت دھلی، (تالیف ۱۹۱۹ء) میں عہدیولس میں مدفون حضرات میں مولوی سید احمد کا نام بھی لکھا ہے، گویا ۱۹۱۹ء سے قبل مولوی صاحب رحلت فرما چکے تھے ؎

شاہ محمدؐ اسماعیل

ولادت ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱۹۳ھ/ ۲ر اپریل ۱۷۷۹ء پھلت، وفات والد ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ/ ۱۲ر اپریل ۱۷۸۹ء دھلی،

فراغتِ درس (۱۵/۱۶ سال کی عمر میں)	۹-۱۲۰۸ھ/ ۲-۱۷۹۴ء
بیعت از سیّد احمد شہید	۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء
تالیف تقویت الایمان	۱۲۳۲ھ/ ۱۸۱۷ء
〃 صراط المستقیم	۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء
آغاز سفر حج از کلکتہ	ربیع الاوّل ۱۲۳۸ھ/ ۱۸۲۲ء
مراجعت کلکتہ	صفر ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء
سفر ہجرت	جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۶ء جنوری
پہلا معرکہ (اکوڑہ)	۲۰ جمادی الاولی ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء
شہادت (بالاکوٹ)	ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء مئی

تصانیف:۔ رسالہ تقویت الایمان (اُردو) صراط المستقیم (باب) (فارسی) منصب امامت (فارسی) رسالہ اصول فقہ (عربی) رسالہ یک روزی (فارسی) ایضاح الحق الصریح فی احکام المیّت والضریح ۔ تنویر العینین[1] فی مسئلہ رفع الیدین، مثنوی سلک نور، رسالہ بے نمازاں ۔

---

[1] تنویر العینین کے متعلق بعض معاصرین شاہ اسماعیل کا بیان ہے کہ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے ان کے نام سے یہ رسالہ لکھ کر شہرت دی ہے، تنبیہ الضالین ص ۵۸

شاہ محمد عمر

شاہ اسماعیل شہید کی اولاد میں صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر کا نام ملتا ہے۔

مولوی سید عبدالحیٔ کا بیان[1] ہے کہ قناعت وعفاف و توکل و استغنا اور تبتل الی اللہ کی صفات سے بہرہ مند تھے۔ دنیا اور ارباب دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے، ایک بار بہادر شاہ ظفر نے شوقِ ملاقات ظاہر کیا اور قلعۂ معلّٰی کو رونق بخشنے کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت کر دی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کی زبانی ایک ایسا ہی ایمان افروز واقعہ نقل[2] ہوا ہے کہ شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل شہید ایک بار ہمارے ساتھ جا رہے تھے کہ بادشاہ کی سواری کے ڈنکے کی آواز آئی، یک لخت ان کی رنگت زرد ہو گئی، پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کی سواری آئی اور گزر گئی بعدہ وہ اٹھے تو چہرہ خوش تھا، دریافت کیا کہ حضرت آپ اس قدر کیوں گھبرا گئے تھے اور اب کیوں مطمئن ہیں کہا میں نے بادشاہ کی سواری سامنے سے آتی ہوئی محسوس کر کے اس بات کا خوف کیا کہ کہیں میرے ایمان کو نہ لے جائے۔"

انہی مولانا کیرانوی کی یہ روایت[3] بھی ہے کہ نواب وزیرالدولہ والی ٹونک انہی محمد عمر

---

[1] نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۳۷۴ [2] مرقاۃ الیقین از اکبر شاہ خان، نجیب آبادی ص ۱۹۳
[3] ایضاً ص ۱۹۲

صاحب کے معتقد تھے ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے آئے محمد عمر صاحب نے سنا کہ وزیرالدولہ آیا ہے تو دیوار کود کر پچھواڑے کی طرف سے مکان چھوڑ کر چل دیے کہ امیروں کی ملاقات سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور قلب پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

شاہ محمد عمر کی وفات ۲ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں ہوئی، مومن خاں نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ وفات موزوں کیا[1]

محمد عمر کا ہوا انتقال — بزرگ ایسے ہوتے ہیں پیدا کہاں
مجھے سال تاریخ کا تھا خیال — کہ سب نے کہا مرگ شیخ زماں
۱۲۶۸ھ

اسلامی (اقتصادی) انقلاب

کے متعلق

حضرت امام حکیم الامت مجدد الملت عارف باللہ

مولانا شاہ ولی اللہ اعلی اللہ مقامہ کے نظریات

نگارش:- حکیم مولوی انیس احمد صدیقی حنفی مجددی ولی اللہی

حضرت شاہ صاحبؒ اسلامی انقلاب کے داعی ہیں، اسلامی انقلاب میں اقتصادی اصلاحات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اگرچہ اس موضوع پر مستقل تالیف کی ضرورت ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب کے نظریات وارشادات کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیئے، لیکن ہم نے یہاں نہایت اختصار سے اسلامی انقلاب کے اقتصادی اصول تحریر کئے ہیں تاکہ برادرانِ اسلام کو یہ علم ہو جائے کہ اسلام ایک مکمل دستورِ حیات ہے اور اسلام میں مذہب اور سیاست جدا جدا نہیں۔

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

آجکل عوام میں سوشلزم کا بہت بڑے پیمانے پر پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، اور عوام کو بتایا جاتا ہے کہ اسلام میں ہمارے اقتصادی مسائل کا کوئی حل نہیں ہے، ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے اس باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اسلامی انقلاب کی دعوت کے داعی حضرت حکیم الامّت مجدد الملّت مولینا شاہ ولی اللہ اعلی اللہ مقامہ ہیں جن کے ہزارہا شاگردوں کے شاگرد ہندو پاکستان میں عربی مدارس اور مساجد میں درس اور خطبات کے فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن ان میں اکثر اصحاب نے نماز، روزہ اور حج کو دین سمجھ لیا ہے اور دوسری چیزوں سے قطع نظر کر لی ہے، اس صرف نظر کی وجہ سے تمام عالم میں خرابیاں، مفاسد اور اختلال رونما ہے جن لوگوں نے اس کی اصلاح کی کوشش کی ہے وہ ناشناس خدا ہونے کی وجہ سے دوسری قسم کی ظلمتوں میں گر پڑے ـــــ حضرت شاہ ولی اللہ کے مسلک پر عمل کیا جائے تو آج نہ صرف پاکستان بلکہ ہند و افغانستان اور مصر، ترکی اور تمام عالم اسلام میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات ختم ختم ہو جائیں اور تمام دنیا کے مسلمان ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح نہایت مضبوط اور منظم طاقت بن جائیں، لیکن افسوس ہے کہ اس اہم ضرورت کو سمجھتے ہوئے بھی اس کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہیں۔

(اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو بارہویں صدی کا مجدد بنایا تھا اور مجدد پیغمبر کا نائب ہوتا ہے، حضرت نے اقتصادی نظام کے سلسلہ میں جو تصریحات فرمائی ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، اس اعتبار سے حضرت کی تحریرات میں اعجاز بھی ہے اور ایجاز بھی۔)

انقلابِ فرانس ۱۷۸۹ء میں رونما ہوا ہے جس کو انقلاب پسند اصحاب نے نشان راہ قرار دیا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب ۱۷۳۱ء میں یعنی انقلاب کے نشانِ راہ سے پوری نصف صدی قبل، کمیونزم کے معلم اول کارل مارکس اور اس کے نفس ناطقہ اور رفیقِ خاص اینگلس کی

پیدائش میں پوری ایک صدی اور یورپ میں مشینوں اور کلوں کے جاری ہونے میں ابھی تقریباً چالیس سال باقی تھے، اسلام کے اقتصادی انقلاب کے وہ نظریات پیش کئے ہیں جو اسلام کے مسلمانوں کے لئے قابلِ فخر ہی نہیں واجب العمل بھی ہیں۔

اگر حضرت شاہ صاحب کے یہ نظریات قبول کر لئے جاتے تو کارل مارکس اور دوسرے کمیونسٹ مفکّروں کو کوئی نہ جانتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو لوگ حضرت شاہ صاحب کے علوم سے واقف ہیں اور زمانے کی ضرورت کو بھی سمجھتے ہیں، وہ حضرت شاہ صاحب کے نظریات کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے لئے مخلصانہ کام کریں، تحریری، تقریری اور تعمیری، ہر طرح سے اسلامی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جائے جو مملکت اس پر عمل کرے گی وہ یقیناً عالم اسلام کی قائد ہوگی بلکہ تمام دنیا اس کی امامت و عظمت کو تسلیم کرے گی ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقتصادی اصول

(۱)۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے

کاشتکار، مزدور قوت کاسبہ ہیں، باہمی تعاون مدنیت (شہریت) کی روح رواں ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک و قوم کے لئے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ علہ

(۲)۔ جوا، سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کئے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح

علہ۔ حجۃ اللہ البالغہ باب سیاست المدینہ والبدور البازغہ بحث الارتفاق الثالث والخیر الکثیر

نظام قائم نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو۔ دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے۔ عله

(۳)۔ مزدور، کاشتکار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لئے دماغی کام کریں دولت کے اصل مستحق ہیں، ان کی ترقی اور خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے۔ جو نظام ان کو دبائے وہ ملک کے لئے خطرہ ہے، اس کو ختم ہونا چاہیئے۔ عله

(۴)۔ ضرورت مند مزدور کی رضا قابلِ اعتبار نہیں جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امدادِ باہمی کے اصول پر لازم ہوتی ہے۔ عله

(۵)۔ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے، مزدوروں اور کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے، اس کو ختم ہونا چاہیئے۔ عله

(۶)۔ جو آمدنی اور پیداوار تعاون باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے عله

(۷)۔ اوقاتِ کار مقرر اور محدود رکھے جائیں۔ مزدور کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیئے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ عله

(۸)۔ تعاون باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ لہٰذا تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہیئے۔ اس لئے تاجروں کو جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا کمپٹیشن سے روحِ تعاون کو نقصان پہنچائیں، اس طرح حکومت کے لئے جائز نہیں ہے کہ بھاری ٹیکس عائد کر کے تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ یا رخنہ پیدا کرے۔ عله

عله۔ حجۃ اللہ باب ابتغاء الرزق عله حجۃ اللہ البالغہ باب الرسوم السائرہ بین الناس عله حجۃ اللہ البالغہ باب ابتغاء الرزق۔ عله باب اصابۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم وباب ضبط المبہم حجۃ اللہ البالغہ عله باب البیوع المنہی عنہا حجۃ اللہ البالغہ

(۹)۔ وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کردے [illegible] تباہ کن ہے۔ عله

(۱۰)۔ وہ شاہانہ نظامِ زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندان کے عیش و عشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو [illegible] ختم کر کے عوام کی مصیبت کو ختم کیا جائے اور ان کو مساویانہ اور منصفانہ نظامِ زندگی کا موقع دیا جائے۔ عله

بنیادی حقوق

حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ وغیرہ میں ارتفاقات (مفاداتِ عامہ) کے تحت تفصیلی کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱)۔ روٹی، کپڑا، مکان اور ایسی استطاعت کہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے، بلا لحاظ مذہب و نسل ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔

(۲)۔ ملک کے ہر باشندے کا حق ہے خواہ وہ کسی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہے کہ اس کی جان، مال اور عزت و ناموس کی حفاظت کی جائے اور اس کو عدل و انصاف سے استفادہ کا بغیر کسی معاوضہ کے حق دیا جائے۔ حقوقِ شہریت میں یکسانیت اور حقوقِ ملکیت میں آزادی کا حق حاصل ہو۔

(۳)۔ زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر فرقہ کا بنیادی حق ہے۔

عله۔ حجۃ اللہ البالغہ باب الارتفاق الرابع وباب البیوع المنہی عنہا۔

[illegible]۔ الرسوم السائرہ بین الناس وباب سیاستہ المدینہ۔

اصول نظامِ حکومت

(۱۴)۔ زمین اور اس کے خزانوں کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس کے بعد ظاہر انتظامی اعتبار سے ریاست ہے اور باشندگانِ ملک جن کو ان کے حقوق حاصل ہیں وہ ان کے منتظم ہیں اور ان کی ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا شخص ان کے حق انتفاع میں دخل اندازی نہ کرے۔ [۱]

(۱۵)۔ سارے انسان برابر ہیں۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود کو مالک ملک یا ملک الناس سمجھے۔ [۲]

(۱۶)۔ مملکت کے سربراہ کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیساکہ وقف کے متوّلی کی، اگر ضرورتمند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے جو عام باشندگانِ ملک کے معیار کے مطابق زندگی گزار سکے۔ [۳]



[۱] حجۃ اللہ باب ابتغاء الرزق [۲] منصب امامت ذکر سلطنت ضالہ [۳] ازالۃ الخفاء ج ۲ عہد فاروقی۔